آغاخانیوں کے سیاسی عزائم

اہلِ وطن کیلئے

ایک لمحۂ فکریہ

مصنفہ

ذکریا رازی

ناشر
سوادِ اعظم اہلسنت چترال
پاکستان

فہرست مضامین

	صفحہ		صفحہ
تمہید	۲	ہند میں مشغلے	۲۹
مجاہد اوّل	۵	لطیف و کثیف	۳۰
ابتدائی تاریخ	۶	دستِ غیب	۳۲
عروجِ فتنہ	۸	معیشت پاکستان	۳۳
شیخ الجبال	۱۲	جادوئے نو	۳۸
حشاشین یا فدائی	۱۴	نقاب کشائی	۴۲
جنّت ارضی	۱۵	قلب ماہیت	۴۴
حسن بن صباح کے بعد	۱۸	چور دروازہ	۵۲
حسب نسب	۲۰	الموت جدید	۵۵
ناسور کی جڑ	۲۲	کمیاب کتب	۶۰
اچھوتی آمیزش	۲۳	فہرست کتب قابل حصول	۶۱
ایران سے فرار	۲۷	کتابیات	۶۲

فہرست مضامین صفحہ ۲ نمبر ۲۷ میں ملاحظہ فرمائیں

تمہید

مسلمانوں کی قریبی تاریخ میں اگر غدر ۱۸۵۷ء کو قیامت صغرا اور سنگ میل کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔ سیکڑوں خدائے واحد کے پرستار ایک ہی قبر میں مار مار کے دفن کئے جا رہے تھے۔ ایک پادری صاحب کا مرغوب مشغلہ ہی یہ تھا کہ وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر اور چن چن کر صرف مسلمانوں ہی کو گولی سے اڑایا کرتے تھے۔ ایک سادہ لوح مسلمان نے معصومیت سے لفظ "نصارٰی" ادا کیا تو یہ تاویل کر کے اسے پھانسی دیدی گئی کہ اس نے "نصارۃ" گاؤں کی رعایت سے حضرت عیسٰی کو دیہقانی کہا۔ میجر ہڈسن کا شہزادگان مغلیہ کا خون پی کر یہ کہنا کہ اگر میں ان کا خون نہ پیتا تو دیوانہ ہو جاتا زبان زدِ خاص و عام ہے۔

غرضیکہ پیروان دین محمدی کو گاجر مولی کی طرح کاٹا جا رہا تھا اور وہ یعنی امام حسن الحسینی آغاخان اوّل جو خود کو مسلمانوں کا حاضر امام کہتا اور کہلاتا تھا۔ اپنی جماعت کو لئے دور کھڑا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ بلکہ شاید جماعت کو حکم دے دیا کہ تم اس "لپھڑے" میں نہ پڑنا جو اس کے عمل سے بعد میں ظاہر ہوا۔

یہ واقعہ جنگِ آزادئی ہند اوّل کا ہے جسے انگریزوں نے غدر ۱۸۵۷ء کے غلط نام سے موسوم کیا۔ خاموش تماشائی بن کر مسلمانوں کا قتل عام دیکھنا اور پھر اپنی ذرّیت کو اس سے لاتعلقی کی تلقین کرنا مسلمانوں سے اس کی غیر ہمدردانہ روش اور کافر انگریزوں سے ہمنوائی کی دلیل ہے۔

یہ درحقیقت مشہور انگریز اہل قلم HUNTER کی کتاب INDIAN OUR MUSALMANS سے آشکارا ہوئی کہ غدر ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کو بُری طرح تباہ، بلکہ نیست و نابود کر دیا گیا تھا۔ ان کے قاتلین انگریزوں کو جب ذرا ہوش آیا تو انہوں نے محسوس کیا کہ ہم نے ہندوستان کی دو بڑی قوموں میں سے ایک کو مٹا کر بڑی سخت سیاسی غلطی کی، کیونکہ

طاقت کا توازن بگڑ جانے کے بعد اب ہماری حکومت میں مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ ایک دوسرے انگریز مورخ مسٹر GEENWELL کا بیان ہے کہ سرکار انگلشیہ نے بدلے ہوئے حالات میں یہ سیاسی حکمت عملی اختیار کی مسلمانوں ہی میں ایک ایسی سربرآوردہ شخصیت تلاش کی جائے۔ جس کے ذریعہ وہ ان کی بگڑی ہوئی حالت کو بہتر بنا سکیں اور یوں سیاسی توازن دوبارہ بحال ہو جائے۔ لیکن اُس مسلمان اور انگریزوں کے مفاد میں ہم آہنگی ہو۔ اُمتِ باطنیہ نے روز اول ہی سے نصارائے یورپ کے ساتھ ساز باز رکھنے میں اپنی بقاء وسلامتی کی ضمانت سمجھی تھی۔ ۱۸۴۰ء میں ایران سے اخراج کے بعد باطنیوں کے سربراہ آغاخان اوّل نے برصغیر پاک وہند کو اپنا مستقل جائے سکونت قرار دیا تھا۔ چنانچہ سیاسیاتِ عالم کے شاطر تیز انگریز کی عقابی نظروں نے اس مقصد کے لئے آغاخان کو انتخاب کیا جو تمام عالم اسلام کا نہ سہی دو کروڑ مسلمان (آغاخانیوں) کا مذہبی پیشوا تھا اور اسے سامنے رکھ کر اس کے ذریعہ مسلمانوں کو ترقی دی جا سکتی تھی دوسری طرف یہ باطنی خاندان "الموتی" عملاً پٹھانوں اور سندھ کے امیروں کے خلاف انگریز کی مدد کر کے یہ ثابت کر ہی چکا تھا کہ وہ حکومت انگلشیہ کے جاں نثار ہیں شروع ہی سے یہ بہی خواہانِ انگریز نہ صرف عملاً بلکہ ایک مستقل اور دائمی پالیسی کی صورت میں دولت انگلشیہ کی وفاداری کا اصول اختیار کر چکے تھے۔ آئندہ چل کر جو آغاخان III سوئم نے مسلمانوں کے فلاح وبہبود کے لئے کوششیں کیں وہ انگریز ہی کی پالیسی کے مطابق تھیں یعنی مسلمانوں پر احسان بھی رہا اور اپنے آقائے ولی نعمت انگریز کی کارگذاری بھی۔ اگر (GEENWELL) نہ کہتا تو اس پوشیدہ معاملہ داری کی سیدھے سادے مسلمانوں کو آج تک شبہۃ بھی خبر نہ ہوتی۔ انگریزوں کی کاسہ لیسی اس خاندان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ مزید ثبوت میرے اس استدلال کا یہ ہے کہ ان حاضر امام کی بہو اور دوسرے حاضر امام یعنی ان کے بیٹے علی شاہ کی بیوہ "نواب عالیہ شمس الملک تاج الہند" (۱) یا مختصراً لیڈی علی شاہ کے نام سے معروف (انگریزوں کی آنکھ کا تارا تھیں جو نام ہی سے ظاہر ہے) نے

اپنی ذریت کے لئے جو واضح پالیسی مرتب کی تھی جس پر آج تک ان کی قوم نہایت پختگی کے ساتھ قائم ہے یہ تھی کہ "ہمارا مفاد اور حکومت انگلشیہ کا مفاد ایک ہے ہمیں اگر اپنی بہتری منظور ہے تو ہمیشہ ان سے وابستہ رہنا چاہیے اور ان بنیادی اصولوں پر سختی سے عملدرآمد کرنا چاہیئے۔

(۲) واضح ہو کہ اس قوم کے تمام موجودہ اصول ان ہی بیگم صاحبہ کے تشکیل کئے ہوئے ہیں۔ بعد میں اس لاتعلقی کے باوجود حاضر امام صاحب مسلمانوں کے بڑے لیڈر بن گئے وہ ان کی انگریزوں کی کارگذاریوں کے عوض اور انگریزوں ہی کی ایک اپنے ہم نوا مسلمان کو ملا کر مسلمانوں کو بیوقوف بنانے کی ضرورت یعنی دونوں کا مفاد ایک دوسرے کی مدد کرنے میں تھا۔ (۳)

ع الفت کا جب مزا ہے کہ وہ بھی ہوں بے قرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

پُرانے زمانے میں دو اسلامی خلافتوں کا مٹانا۔ ازمنہ وسطیٰ میں صلیبی جنگوں (۴) کے لئے اسباب پیدا کرنا جن میں دو سو برس تک مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلی جاتی رہی۔ قریبی تاریخ میں ایران کے لئے خطرہ۔ پہلی جنگ افغانستان میں پٹھانوں کی شکست اور حکومت اسلامیہ سندھ کو خود اپنے "فدائی" (یہ اسم معرفہ ایک مخصوص ذیلی باطنیوں جماعت کا نام ہے) قاتلین سے شکست دلوا کر (۵) انگریزی کفار کو بطور تحفہ دینا چند ایسی انمٹ مثالیں ہیں جن سے ان کی اسلام دشمنی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب چند منچلے نوجوان کمر ہمت باندھ کر تلاش حق کے لئے کھڑے ہو جائیں اور وہ ان کافروں پر لٹریچر کی تلاش میں تھوڑا سا وقت اور سرمایہ لگانے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى

مجاہدِ اوّل

یہاں بے محل نہ ہوگا اگر اس شیرِ بیشۂ اسلام کا مختصر سا تذکرہ کر دیا جائے جس کی گرج آج سے ایک صدی پیشتر اسی موضوع پر برِصغیر میں گونجی تھی جبکہ ان موذیوں کی جماعت کا ہند میں امامِ اوّل اور اس کا سرپرست انگریز آقا اپنی قہرسامانیوں سے اسلامیانِ ہند کو سہمائے ہوئے تھے اور بے کس و بے آسرا مسلمانوں کو صدائے احتجاج تو کیسی کسی کو آہ کرنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ اسلام کے اس جری فرزند نے مسلمانوں کی تذہیک کرنے والے مشہور ددراں متعصب انگریز اہلِ قلم اسکاٹ (SCOTT) کی ناول نما کتب تاریخ کا "ملک العزیز ورجنا" اور "حسن انجلینا" جیسی معرکۃ الآراء تصانیف سے منہ بند کر دیا تھا۔ جس نے نواب رامپور کی زندگی ہی میں "دربار حرام پور" جیسی بے باکانہ کتاب لکھ کر اپنی جرأت مندی اور زودِ قلم کا لوہا منوا لیا تھا۔ جس نے "فردوسِ بریں" اور "حسن بن صباح" نامی (کہنے کو کتب لیکن حقیقتاً دستاویزاتِ قلم بند کر کے خوابیدہ قوم کو بیدار اور ایک فتنۂ عظیم سے خبردار کیا تھا۔ (ان کی ٹکر کی کتابیں ابھی تک اردو زبان میں نہیں لکھی گئیں)

شاید آپ پہچان گئے ہوں یہ جناب مولانا عبدالحلیم شررؔ صاحب کا ذکرِ خیر ہے۔ ہمارے لئے یہ کہنا دشوار ہے کہ شرر کی نگارشات کو ادب کی حیثیت سے فوقیت دیں یا تاریخ کی حیثیت سے۔ لیکن تاریخی اور ادبی پہلوؤں سے قطع نظر ان کے یہاں جو چیز پھوٹ پھوٹ کر جھلک رہی ہے وہ ان کا قومی درد، شجاعانہ نظرت اور اس عدمِ معلومات کی اصلاح کے لئے تڑپ ہے جسے فرنگی سیاست نے مسلمانوں کے دل و دماغ پر مسلّط کر دی تھی جسے آج کل کی اصطلاح میں "ذہنی خلا" (BRAIN WASHING) کہتے ہیں۔ اور اس نے وہی کام لیا تھا جو چینیوں کو افیون کھلا کر۔

اسی جری، غیور، حساس دل رکھنے والے، ادیب، مورخ اور دیندار عاشق

قوم کی یاد اس کے موضوع پر لکھ کر تازہ کرنا اور اس کے مشن کو اُبھارنا ویسے ہی دل گردے رکھنے والے شیرِ مرد کا کام تھا۔ جس ضرورت نے شیر مرحوم سے وہ واقعات صفحۂ قرطاس پر ثبت کرائے تھے وہ ضرورت اُس دَور کی بہ نسبت آج ہزار درجہ زیادہ ہے۔ اُس وقت محض عقائد اور تاریخ پارینہ موضوعِ بحث تھے اور آج ہمارے ملک کے استحکام اور معیشت بلکہ سچ پوچھو تو آزادی کو خطرہ درپیش ہے۔ اور حقیقت سمجھ لینے کے بعد خطرۂ معلومہ کی طرف سے آنکھ بند کر لینا یعنی یہ کہ شُترمرغ والی حرکت کرنا دشمن کو حملے کی دعوت اور خودکشی کے مترادف ہے۔

وہ حقائق جن کا یہاں تذکرہ مقصود ہے پہلے ایک ذرا سا زخم تھا اب ایک گہرا ناسور ہے اور اپنے پھیلاؤ میں وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے بقول مصحفیؔ۔

ع مصحفیؔ ہم نے تو سمجھا تھا کہ ہو گا کوئی زخم
تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا

ایسا نہ ہو کہ ہماری بے پروائی سے یہ لاعلاج ہو جائے اور ہم بعد میں کفِ افسوس ملنے کے سوا کچھ نہ کر سکیں۔

ابتدائی تاریخ

تاریخ اسلام میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی اولاد میں چھٹے امام (جماعت زیرِ بحث حضرت حسنؓ کو امام نہیں مانتی) حضرت امام جعفر صادق کے دو صاحبزادے تھے۔ بڑے کا نام اسمٰعیل اور چھوٹے کا موسیٰ کاظم تھا۔ چونکہ بڑے صاحبزادے کا انتقال ہو گیا تھا۔ امام زندہ نے حقِ "نص" استعمال کرتے ہوئے چھوٹے صاحبزادے یعنی موسیٰ کاظم کو امام مقرر کیا لیکن بعضوں نے امام موصوف کے حکم سے انحراف کرتے ہوئے امام اسمٰعیل کے صاحبزادے کے ہاتھ پر بیعت کی اور الگ ڈیڑھ اینٹ

کی مسجد بنائی ۔ اوّل الذکر اثنا عشری (بارہ امامی ۔ جو آج شیعہ کہلاتے ہیں) اور ثانی الذکر اسمٰعیلی یا فاطمی کے نام سے مشہور ہوئے ۔ یہ کہ ان دونوں کے عقائد میں بعدُ المشرقین والمغربین ہے ۔ قارئین ذہن نشین رکھیں ۔ یہ دو مختلف مذاہب ہیں ۔

اس زمانے میں خلافتِ عباسیہ عالم اسلام کو سمیٹتے ہوئے اسلام کی وحدانیت کا فطری اور حقیقی طور پر ڈنکا بجا رہی تھی ۔ یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ عرب و ایران کے مابین ظہورِ اسلام سے پانچ ہزار سال قبل سے جب ان کے موجودہ نام بھی کتمِ عدم میں تھے ۔ اور وہ ایلم (ایران) اور سُمیر (عراق عرب) کے ناموں سے موسوم تھے، رقابت چلی آ رہی تھی ۔ بعثتِ اسلام کے بعد کچھ ایرانیوں نے صدقِ دل سے اسلام قبول کر لیا تھا اور بعض نے ایرانی نیشنلزم کو دل کے گوشوں میں پوشیدہ رکھکر ظاہرا اسلام (بقول ان کے عربوں کا مذہب) کا زبانی اعتراف کیا تھا دل و دماغ اس زبانی اقرار سے مطابقت نہ رکھتے تھے ۔ صرف مصلحتِ وقت ان کے پیشِ نظر تھی جو اکثر شعراء کے جذبات کی شکل میں نمایاں ہوتی رہتی تھی ؎

جیسے بقول فردوسی ؎

ز شیرِ شتر خوردن و سوسمار	عرب را بجائے رسید است کار
کہ کردند بر تختِ کے آرزو	تفو بر تو اے چرخِ گرداں تفو

عروجِ فتنہ

خلافتِ عباسیہ کا دور تھا اور دبدبۂ اسلام اوجِ ثریا پر کہ ایرانی نیشنلزم کا شدت سے حامی اور اسلام اور عربوں کا ازلی دشمن شہر اہواز (ایران) کا رہنے والا ایک کینہ پرور شخص مسمی میمون القدح (نام ہی سے اسلام سے اجنبیت ٹپک رہی ہے) جو یزداں (خدا) کے ساتھ اہرمن (شیطان) کو بھی خدا مان (٦) کر اس کی پرستش کرتا تھا اٹھا اور مذکورالصدر اسمٰعیلی مذہب کا پرزور داعی بن کر بڑی شدّ و مد اور خفیہ ہتھکنڈوں سے اس کی اشاعت میں مصروف ہو گیا (٧)

اسی میمون القدح نے اپنے نمائندے مرکزِ خلافت سے دور دراز شمالی افریقہ میں بھیجے اور وہاں کے ایک جنگجو قبیلے کتامہ کو حکومت اور فتح میں آسانیوں کے سبز باغ دکھا کر خلافتِ عباسیہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر لیا۔ بالآخر عباسی گورنر زیادۃ اللہ کو شکست اور قیروان (افریقہ) پر میمون القدح اور قبیلہ کتامہ کے ہمنواؤں کا قبضہ ہو گیا۔ پھر ایک شخص عبید اللہ کو جو اکثر مورخین کے مطابق میمون القدح مذکور کا لڑکا تھا (٨) امام اسمٰعیل کی اولاد بتا کر اور قیروان بھیج کر حکمرانِ سلطنت بنایا گیا جس نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کر کے خلافتِ اسمٰعیلی کی بنیاد رکھی اور خود خلیفہ بنا۔ یہ حکومت خلافتِ فاطمی بھی کہلائی۔ اس کے بعد اور اس کے اقدامات کے نتیجے میں خلافتِ عباسیہ جو اُس وقت مرکز اور قلعۂ اسلام تھا کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے جو ملک جس کے ہاتھ آیا وہ اس کا حاکم بن بیٹھا۔ ایک یورپین مورخ۔ (DENY HAY) نے لکھا کہ " ہمیں (یورپ والوں کو) مسلمانوں کے حملوں سے اس وقت سکون نصیب ہوا جب ان میں ایک تیسری طاقت (متذکرہ خلافتِ فاطمی یا اسمٰعیلی) عروج پر آئی (٩) فاضل مورخ یورپی نژاد غیر مسلم اور اس کی کتاب خالصتاً یورپی

تاریخ ہے۔ اسلامی تاریخ سے اسے واسطہ نہیں وہ اپنے گھر یعنی یورپ کے معاملات سے بحث کر رہا ہے۔ وہ جو کچھ کہہ گیا برسبیل تذکرہ ہے اور بے لاگ ہے۔ اس کی غیر جانبدارانہ تحقیق سے اتفاقاً ایک ایسی حقیقت کے رُخ سے پردہ ہٹ گیا۔ جو اب تک لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ تھی۔ اس طرح میمون القدح کی بنائی ہوئی خلافتِ فاطمی دنیا بھر میں پھیلی ہوئی دولتِ مشترکہ اسلام کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی۔ چونکہ اس نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد مسلمانوں سے مخالفت مول لے کر علیحدہ بنائی تھی۔ لامحالہ اُسے یورپ کی نصرانی حکومتوں سے (جو توحید کے پرستاروں کی ازلی دشمن تھیں) مدد کی بھیک مانگنی پڑی۔ اس نے ہمیشہ فرزندانِ اسلام کے خلاف مغرب کے تثلیث پرستوں سے سازباز رکھنے میں اپنی فلاح سمجھی۔ حکومتِ اسمٰعیلی نے ۲۶۲ سال حکومت کی اور عباسی اور اُموی خلافتِ اسپین کو ختم کرا کے نصرانیانِ یورپ کی تمنا پوری کی۔ اس حقیقت کا انکشاف بھی ایک یورپی اہل قلم ہی نے کیا کہ جنگ ہائے صلیبی جن میں پورا یورپ اسلامیانِ مشرقِ وسطیٰ پر دو سو سال تک پے بہ پے حملے کرتا رہا، اور جس میں ساٹھ لاکھ انسان لقمۂ تیغِ اجل بنے وہ اسی سیاستِ فاطمی کا مسلمانوں پر مسلّط کردہ تھا۔ سب مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ "ہولی سپلکر HOLY SEPULCHRE جو اہل نصاریٰ کے نزدیک وہی مرتبہ رکھتا ہے جو اہل اسلام کے لئے کعبۃ اللہ اسے انہی اسمٰعیلیوں کے ایک خلیفہ حاکم بامر اللہ نے اس مقصد سے مسمار کرایا تھا (۱۰) کہ یورپ کے تثلیث پرست مشتعل ہو جائیں اور مشرقِ وسطیٰ پر یلغار کر دیں اور آل سلجوق کا جس میں صلاح الدین ایوبی جیسے فاتح ہو گذرے ہیں اور جو اس وقت اتنی طاقت ور تھی کہ فاطمیوں کی کشور کشائی میں سب سے بڑا چٹان تھی وہ یورپی حملوں سے یا تو ختم ہی ہو جائے یا اتنی کمزور ہو جائے کہ فاطمیوں کو ایک لقمۂ تر مل جائے۔ اور یوں خلافتِ اسمٰعیلیہ کو تمام عالم اسلام پر پھیل جانے کا موقع ملے کیونکہ بخیال ان کے یورپی فاتحین ایشیاء میں نہ رکیں گے وہ

(HOLY SEPULCHRE) کا انتقام لے کر واپس یورپ چلے جائیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ دُنیا نے دیکھ لیا کہ آلِ سلجوق پہلے سے زیادہ طاقتور ہو کر امتحان سے نکلی اس نے نہ صرف یوروپی حملہ آوروں کو ایشیا سے نکال کر باہر کیا بلکہ خود خلافتِ اسمٰعیلی کو کیفر کردار کو پہنچایا۔ ع

جس کا حافظ ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

مسلسل فریب کاریوں کی یہ داستان یہیں ختم نہیں ہوتی آئندہ سطور میں کرمان (ایران) پر قبضہ کی کوشش (۱۱) افغانستان کی پہلی جنگ میں افغانوں کی انگریزوں سے ہزیمت اور قتل عام اور حکومت اسلامیہ سندھ کو ختم کرا کے مسلمانانِ ہند کو دو سو سالہ طوقِ غلامی پہنانا انہیں فاطمی بدعت پرستوں کی ایک شاخ "نزاری" کا کارنامہ ہے جو کہیں اسمٰعیلی، کہیں خوجے، کہیں آغاخانی، کہیں مولائی، کہیں شمسی اور کہیں حسینی کے ناموں سے موسوم ہیں۔ انہیں میں کی ایک شاخ قرامطہ کہلاتی تھی۔ اس کی بنیاد بھی ایک ایرانی ہی نے رکھی تھی جس کا نام حمدان قرمط تھا۔ ان لوگوں نے طاقت حاصل کرلی تو مکہ مکرمہ پر غلبہ کر کے گھس آئے اور سنگِ اسود جو اسلام کی مرکزیت کی علامت ہے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی یاد دلاتا ہے اسے یہ شریر لوگ اٹھا کر لے گئے۔ اس سے پہلے بھی ابراہا ایک عیسائی بادشاہ نے کعبہ کی مرکزیت کو توڑ کر یمن کو دنیا کا مرکز بنانے کی کوشش کی تھی۔ قرآن حکیم میں اس کا تذکرہ ہے۔ غرضیکہ قرامطہ کی اس حرکت سے خانہ کعبہ بیس سال تک سنگِ اسود سے خالی رہا۔ اسی کے متعلق سعدی نے کہا تھا۔

جامۂ کعبہ را کہ می بوسند — اُو نہ از کرم پیلہ نامی شد

با عزیزے نشست روزے چند — لاجرم ہمچو او گرامی شد

خانہ کعبہ کی جگہ دوسری جگہ کو دنیا کا مرکز بنانا قرامطہ اور نصاریٰ میں قدر مشترک ہونا ظاہر کر رہا ہے۔

یہودیوں کا نمائندہ بن کر اولاً آغا خان سوئم ہی جو (انہیں فاطمیوں کی ایک شاخ "نزاری" کا امام تھا) سلطان عبدالحمید خان خلیفۂ عثمانی سے یہودیوں کی بستی بسانے کے لئے ارضِ فلسطین میں زمین مانگنے گیا تھا (۱۲) ترکی کے مصطفےٰ کمال پاشا نے اس کی خوب ڈھول کی پول کھولی ہے کہ وہ اپنی خلافت قائم کرنا چاہتا ہے (۱۳)

وہ جنہوں نے ہمیشہ مسلمانوں کی قبر پر اپنا محل تعمیر کیا ہو ان سے امید کی جا سکتی ہے کہ ان کی نیت۔ ان کی اُمنگوں ۔ اُن کے خیالات اور ان کے ارادوں میں فرق آ گیا ہو گا کیا ایک گلدار کے گل مٹ کر اس کے رنگ میں یکسانیت آ سکتی ہے اور کیا ایک حبشی کا سیاہ رنگ سفید رنگ میں مبدّل ہو سکتا ہے ۔ اگر یہ ممکن نہیں تو یہ بھی ممکن نہیں کہ ایک باطنیہ کے دل میں مسلمانوں کے لئے خیر سگالی کے جذبات پیدا ہو جائیں ۔ یہ فرقہ پہلے بھی اسلام اور مسلمانوں کا دشمن رہا ہے اور آج بھی ہے ۔ اس کی بنیاد ہی اسلام دشمنی اور اغیار پرستی پر رکھی گئی تھی جس کا اعادہ عملاً اور زبانی وہ کرتے رہتے ہیں ان کا مفاد بقول لیڈی علی شاہ والدہ آغا خان سوئم سلطان محمد آغا خان "انگریز سے وابستہ ہے اور رہے گا ۔ (۱۴)

☆

شیخ الجبال

پھر ۱۰۹۰ء میں جب عالمِ اسلام اندرونی اور بیرونی طور پر ہر چہار طرف سے مصائب میں جکڑا ہوا تھا۔ چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستیں آپس میں دست و گریباں اور عباسی خلافت بغداد اور اموی خلافتِ اسپین موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا تھیں اس وقت بحر خزر " CASPIAN SEA " کے کنارے کوہ طالقان میں جو شمالی ایران میں ہے اسمٰعیلی مذہب و ملت سے تعلق رکھنے والا ایک شخص مسمی حسن بن صباح افریقہ سے فرار ہو کر یہاں پہنچا (۱۵) اور اپنی مکارانہ چالوں سے ایک چرسہ (بھینس کی کھال) کے برابر زمین کا سودا تین ہزار اشرفی پر بذریعہ معاہدہ طے کیا۔ زمین پر قبضہ لیتے وقت اس نے اس چرسہ (بھینس کی کھال) کا باریک تانت کٹوایا اور اسے پھیلا کر زمین گھیر لی یوں ایک وسیع قطعہ اراضی پر اس کا تصرف ہو گیا اس کے دائرہ میں ایک بنا بنایا قلعہ بھی آگیا جو قلعہ " الموت " (بمعنی عقاب کا گھونسلہ) کے نام سے موسوم تھا (۱۶) یہاں بیٹھ کر حسن بن صباح نے اس کے استحکامات مضبوط تر بنوائے اس قلعہ کو صدیوں بڑے بڑے فاتحین سر کرنے میں عاجز رہے۔ یہاں حسن مذکور نے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی۔ اب مصر کے اسمٰعیلی مُستعلوی اور حسن بن صباح کے مذہب کے پیرو نزاری کہلائے۔

ثانی الذکر نے منکراتِ دینی شراب، زنا، جوئے وغیرہ سے پابندی ہٹائی اور خدا ہونے کا دعویٰ کیا۔ چونکہ ان کے عقائد کافرانہ تھے مسلمان علماء نے ان کی مذمت

کی اور یہ لوگ ملاحدہ ، باطنیہ اور حشاشین ناموں سے معروف ہوئے ۔ ملاحدہ (کافر) اس لئے کہ ان کے حکمرانوں نے جو ان کے امام بھی تھے خدائی کا دعویٰ کیا تھا ۔ اس مذہب کے پیرو آج بھی اپنے امام کو خدا مانتے ہیں لیکن ظاہراً " حاضر امام " کہتے ہیں ۔ باطنیہ اس لئے کہ وہ کہتے تھے اور اب بھی کہتے ہیں کہ ہر چیز کا ظاہر اور اور باطن اور ہوتا ہے ۔ اس کُلیہ کا اطلاق وہ قرآن حکیم پر بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ " موجودہ قرآن صامت (گونگا) ہے ۔ قرآن کے ظاہری معنی بے معنی ہیں ۔ صحیح معنی ہمارے حاضر امام کو معلوم ہیں جو قرآنِ ناطق ہے " ۔

حشاشین اس لئے کہ اپنے تابعین کو بھنگ پلا کر لوگوں کو قتل کروانے کا کام لیا جاتا تھا ۔ انگریزی کا لفظ (ASSASSIN) اسی لفظ کا انگریزی تلفظ (۱۴) ہے جو قاتل ہی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ قلعہ الموت کا حکمران شیخ الجبال کہلاتا تھا ۔

اقبال نے بھی شاعرانہ انداز میں اس طرف اشارہ کیا ہے ۔ فرمایا ہے ع

ساحرِ الموت نے تجھکو دیا برگِ حشیش
تو اسے سمجھا کیا اپنے لئے شاخِ نبات

حشاشین یا فدائی

حسن بن صباح نے کوہستان کے قوی ہیکل مگر سادہ لوح نوجوانوں کے اذہان کو الفاظ کے طلسم سے BRAIN WASH یعنی اپنے تابع کیا (۱۸) اور ایک بہترین محکمۂ جاسوسی قائم کیا۔ چونکہ اس قوم کی یہ شاخ قتل و غارت گری اور جاسوسی کے ذریعہ شیخ الجبال کی حکومت کے عروج۔ وسعت اور محافظت کا باعث ہوئی تھی اور یہی دہشت گردی ہیں شہرۂ آفاق بلکہ قلعہ الموت کی تشہیر کا باعث تھی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے حالات ذرا تفصیل سے لکھے جائیں۔ بیان کیا جا چکا ہے کہ حسن بن صباح عرف شیخ الجبال نے اس نئی شاخ کی تشکیل کی تھی اور اپنے خیالاتِ مذمومہ اور عقائدِ خطرناک پھیلانے اور مملکت کو وسیع کرنے کے لیے ایک گروہ ایسے دیوانوں کا تیار کیا تھا جو خود شیخ الجبال کو خدائے قادرِ مطلق سمجھیں اور اس کے حکم پر اپنی جان تک قربان کرنے میں دریغ نہ کریں۔ اپنے ہی ہاتھ سے اپنے خنجر مار لیں یا دوسرے ذرائع سے خود کو ختم کر لیں۔ اگر شیخ یہ کہے کہ اپنی آنکھ نکال ڈالو یا پہاڑ سے نیچے گر جاؤ۔ یا اپنا پیٹ اپنی ہی چھری سے چاک کر ڈالو تو فدائی بغیر توقف اس حکم کی تعمیل کرتا تھا۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ یہ اس کے خدا شیخ الجبال کا حکم ہے اور یہ بھی اس کا عقیدہ راسخ تھا کہ شیخ کے حکم کی تعمیل کر کے وہ جنّت کا حقدار ہو جائے گا۔ (۱۹)

جس کی ایک ہلکی سی جھلک اسے اس کرۂ ارضی پر ہی دکھا دی جاتی تھی۔ اس فدائی جماعت نے ہر طرف لوٹ مار مچا رکھی تھی حتیٰ کہ حج کو جانے والے قافلوں کو بھی نہ چھوڑتے تھے۔ (۲۰)

جنّتِ ارضی

شیخ الجبال نے اپنے علاقے میں ایک وادی کو صاف کرا کر ایک نہایت خوبصورت باغ لگوایا تھا۔ جس میں سونے اور چاندی کے درختوں میں یاقوت اور ہیروں کے پھل پھول لگائے تھے۔ قیمتی پتھروں سے بنی ہوئی نہریں تھیں جن میں خاص خاص موقعوں پر دودھ اور شہد بہایا جاتا تھا۔ جواہرات کے بنے ہوئے خوش الحانی سے نغمہ سرائی کرتے ہوئے پرندے تھے۔ عجیب و غریب روشنیاں تھیں۔ ہر قسم کے میوے اور پھل بافراط تھے رنگ برنگے جھاڑ فانوس تھے۔ اطلس و کمخواب کے بستر تھے۔ دیبا و حریر کے پردے تھے۔ صاف شفاف نایاب پتھروں کے تالاب تھے جن میں زمرد، مرجان اور لعل و گوہر جڑے ہوئے تھے۔ رنگ برنگی مچھلیاں تھیں۔ قیمتی ساز و سامان سے مرصع خلوت گاہیں تھیں۔ دنیا جہان کی حسین ترین عورتیں منگوا کر رکھی گئیں تھیں۔ خوبصورت غلمان تھے

(۲۱) SIR PERCY SYKES (سر پرسی سائکس) نے تاریخ ایران میں لکھا کہ " تن TUN ایران میں ایک ضلع ہے۔ صوبۂ کوہستان کا یہاں کی عورتیں دنیا بھر میں اپنے ملائک فریب حُسن کے لئے شہرۂ آفاق تھیں۔ حسن بن صباح کی جنّت میں جس کا ذکر اوپر ہوا یہاں کی حسینائیں حورانِ بہشتی کا کردار ادا کرنے کے لئے بہت موزوں تھیں چنانچہ وہیں سے کثرت تعداد صنفِ لطیف کی منگوا کر یہاں رکھی جاتی تھی (۲۲)

ے جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی پسلی پھڑک اٹھی نگہہ انتخاب کی

جس کسی فدائی سے کسی کو قتل کرانے کا کام لینا ہوتا اسے بھنگ پلا کر دو چار روز کے

لئے یہاں چھوڑ دیا جاتا اور پھر بھنگ پلا کر واپس منگوا لیا جاتا تھا ۔ گویا یہ بہشت بریں کا ایک ذرا سا جلوہ تھا ۔ پھر اس سے کہا جاتا تھا کہ فلاں شخص کو قتل کرآؤ تو جنت پر مستقل طور پر تمہارا حق ہو جائے گا ۔ وہ سادہ لوح بھنگ کے ساتھ فریب خوردہ نہایت عقیدت کے ساتھ اس حکم کی بجا آوری پر دل و جان سے آمادہ ہو جاتا اور خواہ کتنی ہی دشواریاں راہ میں حائل ہوں اور کتنی ہی دقت یا عرصہ لگے وہ بتائے ہوئے شخص کو قتل کر کے ہی دم لیتا تھا (۲۳) کیونکہ یہ اس کے لئے دینی فریضہ کی ادائیگی اور بہشت بریں پر حق کی ضمانت تھی ۔ جب لوگ کثرت سے قتل ہونے لگے تو یہ لفظ حشاشین قاتل کے ہم معنی ہو گیا ۔ ان حشاشین نے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کو شہید کیا ۔ جید علماء جو علم و فضل کے آسمان کے نیر تاباں تھے انہیں ذبح کیا ۔ بڑے بڑے فاتحین اسلام کو موت کی آغوش میں سلایا ۔ ان بے شمار مقتولین میں سے چند ایک مشہور ہستیاں یہ ہیں :- نظام الملک وزیر الپ ارسلان، سلطان ملک شاہ سلجوقی، ابو مسلم رازی حاکم رَے ۔

امیر اثر ملک شاہی ۔ امیر بخش ۔ امیر سیاہ پوش ۔ ندیم ملک ارش ۔ وزیر عبدالرحمٰن سمیری، ندیم امیر یوسف، ندیم ابو الفتح دہستانی، ندیم برمق، امیر سرزمین ملک شاہی، ہادی علی گیلانی، صوفی سکندر قزوینی، ابو المظفر مجید اصفہانی، سنقر قہ والی کوہستان، آتابک مودود، حاکم دیار بکر ۔ ابو جعفر شاطبی رازی، ابو القاسم کرخی ابو الفراح قراتگین ۔ قاسم زاشیجان ۔ ابو عبید مستوفی، محمود الشبلی ملک شامی ۔ امیر بلکابک سرمر ۔ قاضی عبداللہ اصفہانی ۔ شرماح کرمانی ۔ ابو الفراح رازی ۔ قاضی ابو العلا صاعد ۔ فخر الملک ابو المظفر ۔ ابو طالب کمال سمیری ۔ خلیفہ مسترشد باللہ ۔ خادم سلطان جوہر ۔ صدر الدین محمد بن وزان ۔ وزیر سلطان سنجر ۔ شاہ زادہ ابو النصر ۔ شیخ عبد اللطیف بن خجندی اصفہانی ۔ علامہ حسن بن محمد گورمانی

سید دولت شاہ علوی حاکم کرمان ۔ شمس تبریزی (مولانا روم کے پیر و مرشد) شہزادہ داؤد بن سلطان محمود، مولانا صدر الدین محمد بن وزان وزیر نظام الملک مسعود بن علی ۔ امام موفق نیشاپوری ۔ قاضی قاہستانی ۔ قاضی تفلیس ۔ قاضی ہمدانی عین الدولہ خوارزم شاہ ۔ میر ناصر الدولہ بن مہلہل اور امیر کرشاشپ والی کرمان، (۲۴) سلطان صلاح الدین ایوبی پر کئی دفعہ حملہ کیا گیا (۲۵) لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا تحفظ کیا ۔ ع

وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

یہ حشاشین (فدائی) لوگوں میں گھل مل کر رہتے تھے خود کو ظاہر نہ کرتے یہ خطرہ اتنا عام ہوا کہ خاوند کو بیوی پر اور بیوی کو خاوند پر ۔ آقا کو خادم پر خادم کو آقا پر ۔ دوست کو دوست پر ۔ پڑوسی کو پڑوسی پر شبہ رہتا تھا کہ یہ فدائی نہ ہو ۔ ہر شخص پر خوف و ہراس کا عالم طاری رہتا تھا ۔ حکمرانِ سلطنت ان کے خوف سے کانپتے تھے (۲۶) فدائی تنظیم کا اعتراف اس فرقہ کے ایک رکن ممتاز علی تاج دین صادق علی نے ان الفاظ میں کیا کہ

"چونکہ ہمارے پاس بڑی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بڑی افواج نہ تھیں اس لئے ہم نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا" (۲۷)

ایک انگریز اہل قلم کا خیال ہے کہ فری میسن کی قسم کی خفیہ انجمنیں، دہشت پسند تنظیمیں نشہ آور ادویات کا استعمال زیر زمین سوسائیٹیوں کا عام رواجِ منظم خنجر زنی کی تحریکات جو از منہ وسطیٰ سے دورِ جدید تک دنیا بھر میں پھیلی رہی ہیں ۔ سب کی سب شیخ الجبال کی ایجاد کردہ اس تحریک کی ادنیٰ سی نقل اور اس کے بعد کی پیداوار ہیں (۲۸) جو ان سطور میں زیر بحث ہیں ۔

بدقسمتی سے قلعہ الموت کی نزاری سیاست فدائی کی اوّل سے لے کر آج تک کی

تحریکات کا نشانہ مسلمان ہی رہے ہیں ۔ اب اگر اس فرقہ کا حاضر امام جو خود کو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا دعویدار کہتا ہے اپنے مریدین کو نصیحت کرتا کہ اس مسلم کش فرقہ " فدائی " کی مذمت نہ صحیح صرف اس کا نام ہی مسلمانوں کے سامنے بلغرض پاسداری جذبات نہ لیا جائے تو اس کا دعویٰ کتنا وزن دار ہوتا مگر حیف صد حیف اس تنظیم کا اس قدر احترام و عزت ہے کہ بستیاں اور سوسائیٹیاں اس کے نام سے معنون کی جاتی ہیں ۔ ظالم کا احترام ظلم کی ہمت افزائی ہے ۔

کراچی میں " فدائی " " والنٹیرکور " اور فدائی کالونی " موجود ہیں یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کسی مدح خوانِ حسین کے سامنے بیٹھ یزید کی شان میں قصیدہ پڑھا جائے تا کہ اس عاشقِ اہلبیت کی دل آزاری ہو ۔

حسن بن صباح کے بعد

حسن بن صباح کے دو لڑکے اس کی وضع کردہ بدعت سے برگشتہ ہو کر مائل بہ اسلام ہو گئے اس نے ان دونوں کو مروا ڈالا اور اپنے بعد اپنے ایک رفیق کار " کیا بزرگ امید " کو اپنا جانشین نامزد کیا (۲۹)

اس کے بعد اس کا بیٹا محمد اور اس کے بعد حسن دوم " شیخ الجبال مقرر ہوئے " کیا بزرگ امید " کے اس پوتے نے اپنی اصلی ولدیت بدل کر شاہ نزار سے اپنا سلسلہ نسب جوڑا یعنی امام اسمٰعیل اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک اپنا نسب نامہ بڑھایا ۔ یہ طریقہ کار یہ کہہ کر اختیار کیا گیا کہ " شاہ نزار کے بیٹے سے میری ماں کا ناجائز تعلق ہوا تھا جس کے نتیجہ میں میں پیدا ہوا (۳۰) یہ الفاظ کے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ کئی مورخین نے بیان کیا اس لئے مصدقہ ہے ۔ جب ایک امام عالی مقام کھلے الفاظ میں اپنے ولد الحرام

ہونے پر فخر کرے تو اس کے اخلاف و ذریت (آغانی مذہب کے پیرو) کے لئے نہ تو اس قسم کی پیدائش قابل ذلت ہے اور نہ کسی عورت سے ناجائز تعلق باعث مذمت۔ بلکہ امام کی سنت ہونے کے سبب لائق ستائش اور کار نیک ہے۔ کتنے آغاخانیوں کو اس سنت امام پر عمل کرنے کا شرف حاصل ہوا ہوگا وہ تو کسی اور کو کیوں معلوم ہونے لگا لیکن بغیر زبانی اعتراف صاف آشکارا ہے کہ ولد الحرام ہونا امت باطنیہ کے لئے ایسا ہی قابل فخر مباہات ہے جیسے کسی مسلمان کے لیے روزہ، نماز، حج وغیرہ۔ اسی ہی امام نے ۱۷ رمضان المبارک کے دن کو "عید القیامہ" (۳۱) نام رکھ کر اعلان کر دیا کہ اس دن تمام منکرات دینی یعنی زنا (ماں بہن، بیٹی کی تخصیص کئے بغیر) شراب، قمار بازی، چوری، ڈکیتی، قتل، فریب اور دیگر گناہ کبیرہ وصغیرہ کرنے کی اجازت عام ہے (۳۲) چنانچہ یہ سب جرائم کھلے بندوں بازاروں سڑکوں، مسجدوں اور مصلوں پر کئے گئے (۳۳) کیونکہ امام معصوم کا حکم بمنزلہ ایمان۔ عبادت اور کار ثواب تھا ہر شخص اس پر عمل کرنے کے لئے نہ صرف آزاد بلکہ مجبور تھا۔ عدول حکمی کرنے والوں اور شرع پر چلنے والوں کو سنگسار کرایا جاتا تھا۔ اس آزادی گناہ کا فائدہ یہ ہوا کہ جس طرح اولاً غیر مذاہب کے اصول اپنانے پر ادنی درجے کے غیر مسلمانوں نے مذہب باطنی اختیار کیا تھا اب نفسانی خواہشات کی یوں کھلی چھوٹ مل جانے پر غنڈوں بدمعاشوں، شرپسندوں، قاتلین اور ڈاکوؤں نے بڑے جوش ومسرت کے ساتھ اس فرقہ میں شمولیت کر لی اور جماعت نزاریہ کی تعداد میں خوب اضافہ ہوا۔ بہن اور بیٹی اور ہر عورت بلا نکاح جائز ہوئی۔ شراب اور سور کا گوشت حلال ہوا (۳۴)

"یہ امام تمام اماین نزاریہ میں سب سے زیادہ تقدس مآب اور ممتاز سمجھا جاتا ہے جو اس کے القاب سے ظاہر ہے اس کے نام کے ساتھ وہ الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں جو کسی دوسرے امام کو نصیب نہیں ہوئے اس کے نام کے ساتھ خصوصی لقب "علیٰ ذکرہ السلام (یہ اسم معرفہ نہیں توصیفی کلمات ہیں جن کا مفہوم ایک نبی کے القاب کے ذکر کے مانند ہے) لگائے جاتے ہیں (۳۵)

حسب ونسب

یہ آغاخانیوں کے نزدیک امامین نزاریہ کی اہلی زندگی اور حسب ونسب کا ایک رُخ ہے جو خود ان کا اور دوسروں کا بیان کردہ ہے اور دوسرا رخ وہ ہے جسے وہ فخریہ خود ہی بیان کرتے ہیں۔ جس کی ایک زندہ مثال دُرج ذیل ہے۔

ہمارے پیش نظر اس وقت "اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن - ہیریی روڈ، کھارادر کراچی (پاکستان) کا شائع کردہ ساؤینئر (SOUVENIR) مورخہ ۱۳ر جنوری ۱۹۸۵ء ہے اس میں صفحہ ۱۸ پر یہ لکھا ہے کہ " ہمارے امام (کریم آغاخان) کی رگوں میں پیغمبر عربی اور انگلستان اور اٹلی کے شاہی خاندانوں کا خون موجزن ہے، یہاں یہ نہیں لکھا گیا کہ انگلستان کے شاہی خاندانوں میں ان کے باوا آدم یعنی ولیم فاتح (WILLIAM THE CONQUEROR) کا خون بھی شامل ہے۔ جو بقول مسٹر ونسٹن چرچل وزیراعظم انگلستان ایک چماری مسماۃ آرلیٹی ARLETTE کے بطن سے پیدا شدہ ولدالحرام تھا (۳۶) رہا اٹلی کے شاہی خاندانوں کا دُم چھلا تو وہ مسماۃ (THRESA MAGLIANO) والدہ علی سلمان خان (والد جناب کریم آغاخان حاضر امام) کی طرف اشارہ ہے جو پیشے کے اعتبار سے ناچنے گانے کا شغلِ معاش رکھتی تھیں اور فرانس FRANCE کے ایک میلے میں سر سلطان محمد آغا خان III سوم کی نگاہ چڑھ گئیں تھیں (۳۷)۔

حسب ونسب کا ذکر چھڑ گیا تو یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ موجودہ حاضر امام کی والدہ MRS. LOEL GUINESS) شراب کی بھٹی کا کاروبار کرنے والے ایک شخص کی مطلقہ بیوی تھیں اس شخص نے اُنہیں طلاق دی، علی سلمان خان ان کے آئندہ ہونے والے شوہر اور موجودہ حاضر امام کے والد بھی مقدمہ میں جواب دِہ (۳۸) تھے، پہلے خاوند کو اس کی غیرت نے اس مقدمۂ طلاق میں حاضر عدالت ہونے کی اجازت نہ دی اور مقدمہ یکطرفہ فیصلہ ہو گیا۔

موصوف علی سلمان خان (والد کریم آغاخان) کی بیوی بن کر شہزادی "تاج الدولہ"
کے خطاب سے مشرف ہوئیں اگر خوجہ آغاخانی حضرات کا یقین کر لیا جائے تو ٹھیک سات مہینے
(نہ کم نہ زیادہ) میں اللہ نے جیتا جاگتا بیٹا دیا۔ (۳۹) دیکھئے تو بچہ نہایت فربہ اندام اور تندرست
ہے یہ بچہ آج کریم آغاخان چہارم ہے۔ اس تاریخ کی پیدائش کی گواہ صرف آغاخانی جماعت
ہے اور کہیں کوئی گواہ اور ثبوت نہیں۔ نوٹ:۔ مثل مشہور ہے۔

There is no King who has not had a slave among his ancestors and no slave who has not had a king among his.

دنیا میں کوئی ایسا بادشاہ نہ ہوگا جس کی آباء واجداد میں کوئی غلام نہ تھا اور کوئی ایسا
غلام نہ ہوگا جس کے اجداد میں کوئی بادشاہ نہ ہوا ہو۔ (۴۰) یہ سطور برسبیل تذکرہ نوکِ خامہ
پر آئیں۔ ذکر تھا حسن بن صباح کے اخلاف کا جو پھر شروع ہوتا ہے۔

متذکرۃ الصدر حسن دوم کے بعد اس کا بیٹا اور پھر پوتا جلال الدین تختِ امامت
پر متمکن ہوئے۔ جلال الدین بھی مائل باسلام تھا اسے بھی زہر دیا گیا (۴۱)

اس کے بعد رکن الدین نے تخت نشین ہو کر یورپ کے فرمانرواؤں کے پاس مسلمانوں
کے خلاف مدد حاصل کرنے کو سفارتیں بھیجیں، نصارائے یورپ نے ان سفارتوں کو ٹھکرا
دیا (۴۲) علیٰ ہذا القیاس اجنگی آغاخان سوم کے چچا اور ان کا صاحبزادہ علی سلمان خان
جو مائل باسلام تھے قدرتی موت نہیں بلکہ آغوشِ لحد میں غیر فطری طریقے سے پہنچے۔

ان غیر فطری موت مرنے والوں میں اکثریت آغاخانی ارتداد سے نفرت اور اسلام
سے قربت رکھنے والوں کی تھی جس کے نتیجے میں ان کا یہ حال ہوا۔ غرض یہ کہ ایک سو ستر سال
تک انسانی خون کی ہولی کھیل کر اس فرقہ کا گڑھ "قلعہ الموت" مع اپنے امام حاضر یا شیخ الجبال
ہلاکو خان منگول کے ہاتھوں ۱۲۵۶ء میں تاخت و تاراج ہوا۔ رکن الدین خورشاہ الموت کا آخری

نوٹ:۔ دیکھئے صفحہ .... ۱۳۹ تا ۱۴۵۔ صفحہ ۶۳ تا ۶۵ ۔کتاب ہذا

شیخ الجبال تھا (۴۳)
منگولوں نے اسے اور اس کے بچے بچے کو بغیر کسی پیشگی اطلاع کے تہہ زمین کر دیا ۔ (جیسے یہ اُمید نہ تھی اور یوں اپنا جانشین مقرر کرنے کا خیال تک بھی نہ تھا) اس طرح امام اسمٰعیل اور امام نزار (امامین باطنیہ) کی نسل دفعتاً تمام ہوئی اور اصولاً "نسل در نسل امامت کی رسی کٹ گئی ۔ پھر نہ معلوم کیونکر ان باطنیوں کا امامت کا سلسلہ براہ راست حضرت علی سے آج تک باقی اور جاری ہے ۔ جبکہ خود ان کے عقائد کے مطابق "امام" کا مامور من اللہ (یعنی امام کا بڑا بیٹا) اور سابقہ امام کی "نص" (وصیت) سے ہونا لازم ہے (امام کا بھائی تک اس حق سے محروم ہے) یہاں یہ دونوں امورِ ضروری معدوم و مفقود ہیں "ملک الموت" کے بعد باطنیوں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں دور دراز وادیوں اور پہاڑیوں میں منگولوں سے محفوظ ۔ اپنے داعی ہر چہار اکناف عالم میں بھیجتی رہیں (۴۴) (باوجودیکہ رکن الدین کے بعد کوئی اور امام نہ رہا تھا اور کسی اور کو بجائے امام داعی بھیجنے کا حق نہ تھا) یہ ایک مُعمّہ ہے جو نہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا ۔

ناسُور کی جڑ

ان ہی بستیوں میں سے ایک گاؤں خیخ KHEKH نام ایران کے مشہور و معروف و مقدس مقام ضلع قُم میں واقع تھا جہاں سندھ اور ہند سے زائرین کثرت تعداد میں جایا کرتے تھے (۴۵) ظاہر ہے کہ برصغیر کی نواح پہ باطنی ارباب بست و کشاد کی توجہ خاص مرکوز اور بڑی تعداد آزمودہ کار داعیوں کو لغرض اشاعتِ دینِ باطنیت بھیجی جاتی رہی ہو گی اس لئے کہ پہلے محمود غزنوی سے بھی قبل یہاں باطنیوں اور قرامطہ کا پتہ چلتا ہے ۔ گویا دور قدیم ہی سے یہ علاقہ باطنیت کی جولانگاہ بنا رہا ہے ۔ ایک صوفی بزرگ کے قول کہ "پہلے تصوف تھا مگر اس کا کوئی نام نہ تھا اور آج نام ہے

مگر تصوّف نہیں " کے ساتھ سر پرسی سائیکس SIR PERCY SYKES
مصنّف تاریخ ایران کا بیان کہ " صوفیوں اور اسمٰعیلیوں (باطنیہ) کے بعض خیالات اور
عقائد میں مماثلت ہے (۴۶) اور نیز یہ کہ تصوّف کا بانی ایک شخص ابوسعید بن
ابوالخیر بھی خراسان ہی کا باشندہ تھا (۴۷)

جو روز اوّل سے ہی قرامطہ ، باطنیہ اور دوسرے مذاہب باطنی کا منبع و مخرج
چلا آتا ہے اور یہ کہ سندھ کے عوام کے مزاج میں پیر پرستی اور تصوف پرستی کی شدت
سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ کثرت تعداد باطنی داعیوں کی جو زمانہ دراز سے یہاں آتی رہی انہوں
نے " داشتہ آید بکار " کے مصداق سندھ کی سرزمین پر یہ مزاجی کیفیت بلطائف
الحیل پیدا کی تاکہ موقع آنے پر یہاں کے سادہ لوح عوام کو ورغلایا جا سکے اور اپنی
وسعت تعداد میں اضافہ کیا جا سکے واللہ عالم بالصواب بہر کیف ارض سندھ پر
جو باطنیت کی نگاہ حرص و آز مدت سے مرکوز ہے وہ بے سبب نہیں ۔

اچھوتی آمیزش

سات سو سال ہوئے برصغیر پاک و ہند میں پیر صدرالدین اور پیر کبیرالدین باطنیت
کے دو مشہور داعی (مشنری) وارد ہوئے اور انہوں نے کشمیر کی ترائی میں اچھوتوں (چمار
بھنگی وغیرہ) کے ایک گاؤں موسوعہ بہ " ہری چندا " کے ساکنین کے بہت سے عقائد
اپنے مذہب میں داخل کر کے) پورے گاؤں کے لوگوں کو اپنی جماعت میں شامل کر لیا (۴۸)
وہ چونکہ وشنو دیوتا کے دسویں اوتار کی آمد (مثل امام مہدی) منتظر تھے انہیں یہ سمجھایا
گیا کہ ہمارا امام ہی دراصل وشنو کا اوتار ہے ۔جس کی آمد کے لئے تم چشم براہ ہو
اسلام کے عائلی اور وراثت کے قانون کے برعکس انہوں نے یہ قوانین ہندوؤں سے

لے کر اپنائے۔ ان کے درج ذیل چند عقائد اور فرامین حاضر امام ہمارے متذکرہ الصدر دعوٰی کا ثبوت ہیں۔ خدا کا ظہور اوّل شاہ (امام) مچھلی کے روپ میں دُنیا میں آیا اور پانی کے اندر اُترا اور سنکھا سُر نام دیو کو مار کر چار وید لاکر برہما کو دیئے۔ دوسرا ظہور شاہ (امام) کچھوے کا روپ دھار کر دنیا میں آیا اور اپنی پیٹھ پر سارا بوجھ اٹھایا اور مدھوکنگ نام دیو کو ہلاک کیا اور نور تن کو چمکایا۔ تیسرا ظہور شاہ (امام) سور کے روپ میں دنیا میں آیا اور اپنی داڑھ میں پورے آسمان کو رکھ لیا اور مور ڈے نام دیو کو ہلاک کیا اور نور تن کو چمکایا۔ چوتھا ظہور شاہ (امام) نرسی (آدھا جسم انسانی اور آدھا شیر کا) کے روپ میں دنیا میں آیا اور ہیرنا کشس دیو کو ہلاک کیا اور راجہ پرہلاد اور اس کے پانچ کروڑ مریدوں کو بچایا۔ پانچواں ظہور شاہ (امام) وامن کے روپ میں اس دنیا میں آیا اور بلڑے دیو کو ہلاک کیا۔ چھٹا ظہور شاہ (امام) پرشورام کے روپ میں دنیا میں آیا اور کشتری لوگوں کو ہلاک کیا۔ ساتواں ظہور رام چندر کے روپ میں دنیا میں آیا اور دس سروالے راون دیو کو ہلاک کیا سیتا کو آزاد کرایا اور راجہ بھیشن کو لنکا کا راجہ بنایا۔ آٹھواں اوتار شاہ (امام) نے کرشن کے روپ میں جنم لیا نند کے گھر پیدا ہوئے اور دیو کنسا سور کو مارا۔ آج گرو نر "انسان" کی شکل میں آئے ہیں۔ اس نے انسان کی شکل میں اپنا دیدار دکھلایا ہے (۴۹)

اے میرے ساتھی انسانو اس شاہ کو برابر پہچانو۔ جس نے گرو کے "گنان" (نزاری داعی پیر صدر الدین کی تصنیف کردہ کتاب) پر یقین نہ کیا وہ سب بے ایمان ہو گئے، لعنت ہے ایسے گنہگاروں پر، ایسے چوروں اور چنڈالوں پر لعنت (۵۰) قرآن کے چالیس سپارے ہیں ______ جن میں سے تیس سپارے اس دنیا میں نہیں ہیں اور دس سپارے جو باقی رہے "داس" (امام) کے گھر میں ہیں۔ ان (دس سپارے) کو اتھر وید کہتے ہیں۔ ست گر (امام) کی زبانی ہی دس سیپارے ہیں۔ محمد نبی گرو برہما کے اوتار ہیں (۵۱)

ان کا پیدا کرنے والا داتا دوشنو ہے (۵۲) جب حضور (نبی محمدؐ) نے شاہ علی کا دیدار کیا تو سب سے اوّل انہیں صحیح اللہ پایا (۵۳) حضرت علی کو خالق وشنو کہیئے اور نبی حضرت محمد برہما جی کا اوتار ہیں (۵۴) وہی تو (علی) پوری کائنات کا خالق ہے (۵۵)

اس لئے صحیح اللہ کو علیؑ کو کہیئے۔ وہ (علی) جل شانہٗ کا عکس ہیں (۵۷) پیر نے امام حاضر کا دیدار کرایا جو شاہ قاسم کی شکل میں (اللہ کا) اوتار ہے۔ اس کو صحیح اللہ مانئے (۵۸) اس کلجگ میں خداوند عالم کا ظہور انسانی جسم میں ہے اور وہ ساری روحوں کا شہنشاہ ہے (یعنی وہ امام حاضر ہے) (۵۹) محمد نبیؐ نے اپنے "شوہر" کو پہچانا (یعنی علی کو) (۶۰) پہلے نبیؐ کی آنکھوں کے نور (یعنی امام) کو پہچانو اور اس کو (امام کو) خدا ہی سمجھ لو (۶۱) "امام حاضر" کے نمائندے کو گناہ معاف کر دینے کے اختیارات حاصل ہیں (۶۲) "اُساس" یعنی امام کا رتبہ پیغمبر سے بڑا ہے امام کا فرمان اللہ کے کلام کے برابر ہے (۶۳) امام کے سہارے دنیا ٹھہری ہوئی ہے (۶۴)

قرآن ملک عرب کے لئے ہے "گنان" (پیر صدرالدین کی تصنیف) کو لکھے سات سو سال ہوئے یہ جماعت کے افراد کے لئے ہے (۶۵) لوگ کربلا میں جاکر اپنا وقت پھوکٹ میں ضائع کیوں کرتے ہیں۔ حضرت امام حسین تو جماعت خانہ میں تشریف فرما ہیں (۶۶) (فرمان امام) ہمارے سارے رُوحانی بچوں کا مذہبی اور معاشرتی فرضِ اولین ہے کہ اپنی پوری وفاداری سے اور کل طاقت سے برٹش حکومت سے تعاون کریں (۶۷)

سلطنت برطانیہ اپنے مذہب اپنے مقصد اور اپنی آزادی کی محافظ ہے (۶۸) جھوٹے سنّی کتے بھی روئیں گے (۶۹) حضور رسالت مآب کو پیغمبر آخر الزمان ماننے سے منکر باطنیہ (۷۰) (نزاری) کو معجزات انبیاءؑ سے بھی انکار ہے۔ وہ بالکل ہندوؤں کی طرح قیامت سے منکر اور تناسخ کے قائل ہیں، آدم سے قبل بھی کئی

افراد و اشخاص کی موجودگی اس دنیا میں مانتے ہیں (۷۱) بہن اور بیٹی سے شادی ان میں جائز تھی۔ باطنی ہر عورت کو بلا نکاح حلال سمجھتے ہیں (۷۲)

مندرجہ بالا عقائد میں نوے فیصد ایسے ہیں۔ جو ہندوؤں کے نچلے اور ان پڑھ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور ان ہی کی سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ کوئی سمجھ بوجھ والا شخص چہ جائیکہ ایک مسلمان اُنہیں تسلیم کر کے کسی خوجہ آغاخانی کو دائرہ اہل خرد یا حلقۂ اسلام میں جگہ دے یہ ناممکن ہے۔ یہ عقائد و خیالات تو حسن بن صباح کے ذہن میں بھی نہ آئے ہوں گے۔ خالص اچھوتوں (بھنگی چماروں) کا مذہب ہے جو برصغیر میں آنے کے بعد حسن بن صباح کے لگائے ہوئے پودے میں بطور قلم (GRAFT) لگا دیئے گئے اور اچھوتوں ہی نے اس مذہب کو قبول کیا۔ ثبوت اس کا ان کی پچھلی پشت کے اجداد کے نام ہیں جو نرے اچھوتوں کے نام ہیں۔

کسی اعلیٰ ذات کے ہندو کے بھی نہیں۔ دوسرا ثبوت یہ ہے کہ گزشتہ پشتوں میں ان کے بزرگوں کی اکثریت چمڑے ہی کا کاروبار کرتی تھی، تیسرا ثبوت، ایک دفعہ آنجہانی آغاخان سوم سلطان محمد خان کے سامنے کسی آغاخانی خوجہ کی زبان سے کوئی شیخی آمیز لفظ ادا ہوا تو موصوف نے فرمایا " اتراتے کیوں ہو گھر میں جا کے دیکھو شاید کسی کونے میں اب بھی کوئی راپنی (چمار کے کام کرنے کا اوزار) پڑی مل جائے " چوتھا ثبوت اکثریت آغاخانیوں کے اخلاق و عادات اور گفتگو کو دیکھتے ہوئے غیر مہذب ملے گی۔

تہذیب نام کی کوئی چیز ان کے یہاں نہیں علاوہ ازیں ان کے یہاں کی مذہبی اصطلاحیں اور تہواروں وغیرہ کے نام سب اچھوتوں کے مذہب سے نکلے ہوئے ملیں گے ڈھونڈنے سے کوئی اسلامی لفظ نہ نظر آئے گا۔ تنہا یہ حقیقت اس کے اچھوتوں کا مذہب ہونے کی تصدیق کر رہی ہے۔ قدیم جاہلانہ دور کو چھوڑیئے" اس جدید تعلیم و تہذیب کے زمانے میں بھی انہوں نے اس اچھوتی ریت کو نہ چھوڑا۔

تاریخ اٹھا کر دیکھئے تو اندازہ ہوگا کہ اوّل ہی سے جب اس فرقے کی خشتِ اوّل رکھی گئی تھی تو اس کی اشاعت غیر مسلموں میں کی گئی تھی (۴۳) اور انہوں نے ہی آمنّا وصدقنا کہہ کر اسے قبول کیا تھا (۴۴) کیونکہ مذہب باطنیہ کی بنیاد ہی ان اصولوں پر استوار تھی جو مشرکیں، ملحدین اور دہریت نوازوں کو مرغوب و پسند تھے۔ مقدس گنان (آغاخانی قرآن) میں اس اُمت کے مختلف ناموں میں رکھی شار (RIKHISHAR) (بمعنی اچھوت) ہری جن HARIJAN (بمعنی اچھوت) "داس" DAS (بمعنی غلام داسی" (DASI) "بمعنی باندی" اور "گونلیاچاری" GONLYACHARI (بمعنی گناہوں سے بھرا ہوا) نام شامل ہیں (RKN صـ ۶۴) جادو وہ جو سر پہ چڑھ کر بولے خود ان ہی کی مقدس کتاب سے ان کی اصلیت کا پتہ چل رہا ہے۔

ایران سے فرار

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ سنہ ۱۲۵۰ء میں ہلاکو خان منگول کے قلعۂ الموت کو تاخت و تاراج کر دینے کے بعد شیخ الجبال کی ذرّیت کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں دور دراز مقامات ایران کی پہاڑیوں، وادیوں اور ملک شام میں باقی رہ گئی تھیں۔ اُن ہی ریاستوں میں سے ایک ریاست "خیخ KHEKH" نام ایران میں باقی تھی۔ فتح علی شاہ بادشاہ ایران نے یہاں کے حاکم حسن الحسینی کو جو باطنیہ فرقہ کا حاضر امام تھا اس لالچ میں محلات نام کی ریاست اور اپنی بیٹی بیاہ دی (۴۵) کہ بہ موقع جنگ اسے "فدائی" دیوانوں کی بنی بنائی فوج مل جائے گی حاضر امام موصوف نے شاہ ایران کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر جبکہ وہ ایک معرکہ پر گیا ہوا تھا صوبہ کرمان (ایران) پر قبضہ کرنے کی کوشش کی (۴۶) اتفاق کی بات کہ بادشاہ کو خلافِ اُمید محاصرہ ختم کر کے وقت

مقررہ سے پہلے واپس دارالسلطنت آنا پڑا یوں ان حاضر امام صاحب کی غداری کا راز فاش ہو گیا اور انہوں نے پینتیس ۳۵ سواروں کی معیت (۷۷) میں قرامطہ اور باطنیہ کی روایات قدیمہ کے مطابق ہند کے شمالی حصّے کو اپنی جولانگاہ بنانا پسند کیا اور افغانستان کے پٹھانوں سے جنگ اول افغانستان میں فریب کاری بحقِ سلطنتِ انگلشیہ (۷۸) کرنے کے بعد اس علاقہ میں داخل ہو گئے۔ جو اب پاکستان کہلاتا ہے۔

یہاں باطنیہ داعی پیر صدرالدین اور کبیرالدین مذکورین نے جو سات سو برس قبل برِّصغیر کے شمالی حصّوں میں وارد ہوئے تھے۔ اور ساکنانِ ہر کی چندہ گاؤں اور دور و نزدیک کے علاقوں کے اچھوتوں (بھنگی چماروں) کے اصول و عقائد اولاً خود اپنا کر اور اس طور سے اپنی جماعت میں شامل کر کے ایک بڑی جمعیت قوم باطنیہ اور "فدائین" کی تیار کر چکے تھے، بالکل اسی طرح جس میمون القدح کی کوششوں سے شمالی افریقہ میں بربر قوم کے قبیلہ کتامہ کو حکومت کے قائم کرنے سے پہلے اپنا کر ایک بڑی جمعیت بنائی گئی تھی اور بعد میں عبیداللہ مہدی کو بھیج کر خلافت فاطمی قائم کی گئی تھی۔

اب چونکہ حاضر امام موصوف کے پاس ایک منظم فوج "فدائی" دیوانوں کی تھی جو اپنے امامِ حاضر (خدا) کے حکم پر جان دے دینے میں پس و پیش نہ کرے ہر حکومت کا سربراہ متلاشی رہتا تھا کہ اسے ان کا تعاون حاصل ہو جائے۔ چنانچہ سندھ کے امیر جو انگریزی خطرے سے دوچار تھے۔ انہوں نے حاضر امام حسن الحسینی کو مسلمان سمجھ کر اس پر اعتبار کیا اور جب اُس نے قرآن اور تلوار پر ہاتھ رکھ کر عہد و پیمان کر لیا تو اسے اپنا حلیف بنا کر اپنے فوجی رازہائے دروں پردہ سے آگاہ کیا۔

اس شخص نے انگریزوں سے مل کر سندھ کے تمام خفیہ معاملاتِ جنگ ان پر ظاہر کر دیئے نہ صرف یہ بلکہ اپنے کئی ہزار "فدائی" دیوانوں کی شہسوار فوج سے فرنگی کفار کی مدد کی (۷۹) اور سندھ کے امیروں کی بیس ۲۰ ہزار بلوچ فوج کو شکست

کا منہ دیکھنا پڑا (۸۰) سندھ پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا بالفاظِ دیگران حاضر امام (خدا) نے جو خود کو مسلمان کہتا تھا قرآن اور تلوار جن پر اُس نے ہاتھ رکھ کر قسم کھائی تھی پس پشت ڈال کر مسلمانانِ سندھ کو دھوکہ دیا اور ایک اسلامی سلطنت مسلمانوں کے ہاتھ سے چھین کر کافروں کو بطور تحفہ پیش کی ایک مسلمان فرقہ کے پاک نہاد " حاضر امام " بھی رہے اور اسلام کے ازلی دشمنوں سے دوستی بھی قائم رہی ۔ع سندھ کے زندہ پیر ہاتھ سے جنت نہ گئی۔

کس لالچ میں جناب امام صاحب نے اپنے یہ کئی ہزار سرفروش کٹوائے یہ معمہ اس وقت تو نہ کھلا لیکن آئندہ چل کر آغا خان سوم نے ایک حصہ اپنی داستانِ حیات MEMOIR کا سُپردِ قلم کرتے وقت بھول کر بعض فقرے ایسے لکھ دیئے جن سے اس راز کا انکشاف ہوگیا کہ وہ سندھ کی سرزمین پر ایک ریاست کے متلاشی تھے جس پر ان کی " اولاد در اولاد " حکومت چلتی رہے (۸۱)

جی ہاں " اپنی اولاد " جماعت جس نے جوشِ عقیدت میں ہزاروں سرفروش " مولا " کے حکم پر قربان کردیئے ۔ اس کا کوئی ذکر نہیں ۔ انگریز بہادر نے انہیں ۷۵/= پاونڈ ماہانہ وظیفہ پر ٹرخا دیا (۸۲) اور چند خطاب عطا فرمائے اور بس ۔

ہند میں مشغلے

اس کے بعد ان حاضر امام صاحب یعنی آغا خان اوّل کو انگریز بہادر نے بمبئی میں رہنے کی اجازت دیدی اور وہ ان ہی کی درخواست پر دی کیونکہ سندھ اس زمانے میں بمبئی پریذیڈنسی کا حصہ تھا ۔ اس کا صدر مقام بمبئی شہر تھا اور قرامطہ اور باطنیہ کی روایات کے مطابق وہ اس سندھ سے چپکے رہنا چاہتے تھے ۔ جبل بہ جُنبد جبلت نہ جُنبد کے مصداق بمبئی میں بھی وہ الموت کے مرغوب شغل یعنی جسے چاہا قتل کرادیا سے باز نہ آئے پے در پے کئی خون ہوئے ۔ قاتلین نہایت جاہل اور قلاش قسم کے آدمی ہوا کرتے تھے لیکن ان کے

مقدمات کی پیروی بمبئی کے چوٹی کے وکلاء (۸۳) کیا کرتے تھے اور پھانسی ہونے کے بعد جناب حاضر امام (خدا) بہ نفسِ نفیس ان کی نمازِ جنازہ بڑے تزک احتشام بلکہ احترام سے پڑھایا کرتے تھے (۸۴) حاضر امام سوم کے چچا جنگی شاہ جو امامت کے دعویدار تھے اپنے بیٹے کے ہمراہ حج کو گئے ہوئے تھے کہ " جدہ " میں دونوں باپ بیٹے قتل ہوئے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ کسی " فدائی " کے خنجر کا شکار ہوئے ۔ جب قتل کی واردات کثرت سے ہونے لگیں تو بمبئی اور اس کے مضافات میں اک کہرام مچ گیا ۔ اخبارات نے زور دار اداریئے لکھے ۔

آخر کار آغا خان کے مربی اور سرپرست انگریز بہادر کو اسے شہر بدر کر کے کلکتہ جلاوطن کرنا پڑا ۔ لیکن یہ تو سندھ کے علاقے سے چمٹے رہنا چاہتے تھے انہیں چین نہ آیا ۔ جب لوگ قتل کے واقعات کو کسی قدر بھول سے گئے تب یہ خرابی صحت کا بہانہ کر کے حکومت سے ملتجی ہوئے اور پھر بمبئی میں آدھمکے بمبئی سے سندھ کو علیحدہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے ۔ مسلمانوں کے مفاد سے انہیں کب واسطہ رہا ہے جواب ہوتا ۔ گو وہ اب یہ کہکر مسلمانوں کو حکمہ دے رہے ہیں ۔

لطیف و کثیف

آغا خان اول کی رحلت کے بعد اس کا صاحبزادہ علی شاہ تختِ امامت پر براجمان ہوا لیکن زیادہ عرصے زندہ نہ رہا ۔ عنانِ امامت عملاً اس کی بیوی لیڈی علی شاہ کے ہاتھ آئی کیونکہ آئندہ امام یعنی آغا خان سوم ابھی بچہ تھا ۔ یہ نہایت ہوشیار عورت تھی لوگوں نے حکومت سے درخواست کی کہ اس خاتون کے ذریعہ انہیں خود اپنی عورتوں سے خطرہ ہے (۸۵) لہذا اس عورت کے جعل و فریب سے انہیں نجات دلائی جائے اور اسے شہر بدر کیا جائے ۔ (۸۶) موصوفہ لیڈی علی شاہ نے جماعت کو نئے خطوط

پر مستحکم موثر - اور منظم کیا اور نئے حاضر امام (آغاخان سوم) کی تربیت بطریق احسن انجام دی اس نے ایک خفیہ ذیلی جماعت یعنی جماعت در جماعت کی بنیاد رکھی اس کا نام موٹوپنٹ (بڑا مذہب) MOTO PANT رکھا (۸۷)

اس وقت یعنی اب سے تقریباً ایک سو برس قبل صرف عورتوں پر مشتمل "موٹوپنٹ" کے پانچ سو ممبر تھے یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ ایک صدی بعد آج اس سوسائٹی کے کئی ہزار ممبر ہوں گے - اس ذیلی سوسائٹی کے نام اور کام سے خود آغاخانی عوام تک واقفیت نہیں رکھتے - اندازہ ہو رہا ہے کہ خود خوجے بھی اس خفیہ انجمن کی سرگرمیوں کی زد میں رکھے گئے ہیں یعنی قوم کا یہ محکمہ جاسوسی کے فرائض انجام دیتا ہے - اس ذیلی انجمن کے اصول، طریق کار وغیرہ سب صیغۂ راز میں ہیں - جماعت کا یہ ادارہ براہ راست امام حاضر کی خصوصی سرپرستی میں ہے اور چونکہ حاضر امام کے پاس بے شمار دولت ہے یقیناً "موٹوپنٹ" زمانہ قدیم کے باطنی محکمۂ جاسوسی کی بہ نسبت آج زیادہ منظم ہوگا -

وجہ ظاہر ہے کہ ایران، عراق اور مصر میں اقتدار قدیم باطنیوں کی قوت و سطوت کا ضامن تھا جو آج صرف ان کے محکمۂ جاسوسی پر منحصر ہے -

علاوہ ازیں سنا جاتا ہے کہ "موٹوپنٹ" کی جماعت خواتین میں کئی درجے ہیں سب سے اونچا درجہ مائی لیڈیز MY LADES (میری بیبیاں) کہلاتا ہے جو حاضر امام ایک لاکھ روپے فیس ادا کرنے والی خاتون کو تفویض کرتے ہیں - دوسرا درجہ MY DAUGHTERS (میری بیٹیاں) ہے - اس میں پچاس ہزار روپے نذرانہ ادا کرنے والی طالبہ کو داخل کیا جاتا ہے - اکثر اوقات نذرانے کی یہ رقوم قابلیت ذاتی اور خصوصیاتِ طبیعی کی بناء پر معاف کر دی جاتی ہیں - ظاہر ہے کہ یہ عہدے بڑی اہمیت اور شرف و وقار کے حامل ہیں اور ان کی حامل خواتین بڑے متمول اور بارسوخ خاندانوں کی چشم و چراغ ہوتی ہوں گی نیز جوش عقیدت اور جذبۂ خدمت کے ساتھ خاص

صلاحیتوں کی مالک بھی ہوتی ہوں گی اور جب انہیں اتنا اونچا عہدہ دیا گیا ہو کہ وہ حاضر امام کے خصوصی ادارے کی رکن بن کر " مولا " کی اس قربت کو پا جائیں جو اوروں کو نصیب نہیں تو وہ خود کو اس اعزاز کا اہل ثابت کرنے کے لئے انتہائی کاوش و جانفشانی سے اپنے فرضِ منصبی کو ادا کرتی ہوں گی جو انہیں سپرد کیا گیا ہے

اوّل تو صنفِ لطیف سراغ رسانی کے کام کے لئے فطرتاً موزوں ہوتی ہیں اور پھر اس کام میں مذہب کی لاگ بھی ہو یعنی یہ کہ وہ خدمت " مولا " کے حکم کی تعمیل بالفاظِ دیگر فریضۂ دینی ہو تو پھر عورت کا جذبۂ عقیدت ویسا ہی بے پناہ ہوتا ہے جیسا اس مجاہد کا جو شوقِ شہادت میں سربکف میدانِ جنگ میں ہزاروں دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ڈٹ کر کھڑا ہو جائے اور پھر عورت کا جذبۂ مذہب پرستی اپنی شدت میں ضرب المثل ہے ۔ صنفِ لطیف کی ان خصوصیات کے پیش نظر MOTO PANT " موٹو پنٹ " کی تنظیم ایک ایسا ادارہ ہے جس کی مدِ مقابل نہ تو دوسری کوئی تنظیم ہو سکتی ہے نہ کسی کے پاس ان جیسا سامانِ جنگ ۔ قلعہ الموت کے دَور کا محکمۂ جاسوسی جس کی بدولت حسن بن صباح کامیاب ہوا تھا ۔ پرانے دَور کی مشین تھی لیکن اب تک زمانہ اس سے تھرّا رہا ہے ۔ اب جبکہ سائنس کی ایجادات بھی ممد و معاون ہیں اور نسوانہ عشوہ طرازیاں بھی اور ان سے بھی یقیناً فائدہ اٹھایا گیا ہوگا تو اس نئی مشین کی کارکردگی اور فعالیت کیا ہوگی وہ حدِ قیاس سے باہر نہیں ۔

دستِ غیب

نئے طریقہ ہائے کار میں خنجر زنی وغیرہ کے دقیانوسی طریقوں کے بجائے آج کل " رشوت " زیادہ کارگر ثابت ہوئی ہے ۔ جو قوم اپنے " حاضر امام "

کو پلاٹینیم میں تول سکتی ہے اس کے نزدیک پانچ دس لاکھ روپیہ دے کر بڑے سے بڑے افسر کو خرید لینا کوئی بڑی بات نہیں اس جماعت کے اراکین چونکہ ملازمانِ سرکاری نہیں اس لئے حکومت کی مشینری کو قابو میں رکھنے کا واحد طریقہ فراخدلانہ تھیلی کا منہ کھلا رکھنا ہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے رشوت کا جال اس انداز سے پھیلا رکھا ہے کہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی مچھلی اس سے بچ کر نہیں نکل سکتی۔

رشوت کا دینا کسی ایسے ویسے کا کام نہیں یہ ایک سائنس اور آرٹ کا درجہ رکھتا ہے۔ جس کے یہ منجھے ہوئے شاطر ہیں۔ ہر شخص اس فنِ شریف سے واقف نہیں۔ ماہرانِ فن نے اس کا چسکا ملازمینِ سرکاری کو لگا دیا اب ع

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

محترم کریم غلام علی نے لکھا (سو سال قبل انگریزی دور میں جب رشوت خال خال لی جاتی تھی۔ اس وقت بھی) جماعت کی طرف سے پولیس کو باقاعدہ تنخواہ دی جاتی تھی (۸۸)
اور آج کل تو رشوت کی حکومت ہر جگہ عام اور جائز تصور کی جاتی ہے۔

معیشتِ پاکستان

اس وقت پاکستان کی تجارت پر دو طبقے چھائے ہوئے ہیں۔ ایک میمن جن کی دین و مذہب سے والہانہ عقیدت اظہر من الشمس ہے۔ انہوں نے پاکستان کی معیشت کو اس وقت سنبھالا تھا جب ہمارے دفتروں میں پنسلیں اور فرنیچر تک نہ تھا۔ کلرک زمین پر بیٹھ کر کام کرتے تھے اور مسلمان تاجر اور کارخانوں کا فقدان تھا۔ یعنی اقتصادی طور پر پاکستان دیوالیہ تھا۔ ہندو کو پورا یقین تھا کہ پاکستان

چند مہینوں میں ہمارے سامنے گھٹنے ٹیک کر ہم سے دوبارہ بھارت میں شامل ہونے کی بھیک مانگے گا ۔ دوسرا طبقہ آغاخانیوں کا ہے ثانی الذکر کاشاخیں چونکہ تمام عالم میں پھیلی ہوئی ہیں اس لئے انہیں اسمگلنگ کے لاتعداد مواقع حاصل ہیں ۔ روپیہ کمانا ان کے مذہبی اور جماعتی ٹیکسوں کے لئے لازمی ہے اور اس مذہبی ضرورت کو پورا کرنے لئے زندگی کا مقصد وحید ہے نیز ان کے یہاں دولت ہی عزت اور نام ونمو کا ذریعہ ہے ۔ اس لئے وہ اس در سے کیوں فیض نہ اٹھائیں جو ان کے لئے کھلا ہوا ہے ، لیکن اس جماعت کے کسی رکن کو اسمگلنگ میں گرفتار ہوتے یا سزا پاتے نہیں سنا گیا ۔

کیوں نہ ہو " موٹوپینٹ MOTO PANT اور منظم رشوت کا جال کس دن کے لئے ہے ۔ ایسے حالات میں میمن برادری جو سیدھی سادی تجارت کی عادی ہے وہ منظم اسمگلروں کے گروہ سے کیسے جیت سکتی ہے ایک نہ ایک دن گروہ بند اسمگلروں سے مات کھائے گی ۔ اگر ایسا ہوا تو یہ پاکستان کے لئے سانحہ عظیم ہوگا ۔ کیونکہ اسمگلنگ کی مدد سے رشوت اور رشوت کی لاگ سے دفاتر حکومت پر اثر اور پھر حکومت پر غلبہ شاعرانِ تیر کا منتہائے نظر ہے ۔

اس کے آثار ابھی سے نظر آرہے ہیں ۔ جو کل تک چمڑے کی کترنیں بیچتے تھے وہ آج کروڑپتی ہیں یہ روپیہ آسمان سے ہُن کی شکل میں تو برسا نہیں ہوگا؟ تو پھر کدھر سے آیا ؟ یہ دنیا عالمِ اسباب ہے ۔ اگر اسباب ظاہری نظر نہ آئیں تو یقیناً دستِ غیب ہے ۔ بغیر دستِ غیب کی مدد " دسوندیا " (جو اپنی آمدنی کا دسواں حصہ آغاخان کو دے) (۸۹) اور " سربندیا " (جو اپنا تمام اثاثہ بمع تن کے کپڑے حاضر امام کے نام کردے) (۹۰) اور دیگر دوسو پچھتر ۲۷۵ (۹۱) ایسے ہی ٹیکس کا نظام نہیں چل سکتا ـــــــــ کیونکہ ان مذہبی ٹیکسوں کے علاوہ حکومتِ وقت کے جائز ٹیکس بھی دینے پڑتے ہیں اور یہ تمام ٹیکس ادا کردینے

کے بعد بھی یہ جماعت انتہا درجہ متمول ہے ۔ اس صورتِ حال کو سمجھنے کے لئے کسی غیر معمولی عقل و خرد کی ضرورت نہیں ۔ معمولی عقل و دانش والا بھی سمجھ سکتا ہے ۔

جماعت کا نظام ہی ایسا ہے کہ جس طرح بھی ہو روپیہ حاصل کیا جائے خواہ اس کے لئے جائز ذرائع استعمال کئے جائیں یا ناجائز اور جو ایسا نہ کرے وہ برادری میں نکو ۔

آغا خانیوں کی دولت کا ایک ظاہر ذریعہ جو باخبر حضرات سے پوشیدہ نہیں ہندوؤں کے چھوڑی ہوئی وہ جائیدادیں ہیں جو وہ پاکستان سے جاتے ہوئے اس فرقے کے افراد کے پاس بطور امانت چھوڑ گئے تھے ۔

کیونکہ مدتوں ساتھ رہنے کی وجہ سے ان کے اور آغا خانیوں کے مراسم دوستانہ ہو گئے تھے اور وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ پاکستان ختم ہونے پر مہاجر تو یہاں سے نکال ہی دیئے جائیں گے ۔ قدیم ساکنان (آغا خانی) بہر حال رہیں گے ۔ ان سے وہ اپنی جائیدادیں آسانی سے واپس لے لیں گے ۔ بھارت جانے والے ہندوؤں میں کچھ ایسے بھی تھے جو چلتے وقت کوڑیوں کے مول اپنی جائیدادیں فروخت کر کے کاغذات میں وصول کردہ رقم سے کئی گنا زیادہ قیمت لکھوا کر لے گئے جو ان سے لکھوائی گئیں کسٹوڈین CUSTODIAN جائیداد کو جب حقیقت کا پتہ چلا تو اس نے حکم دیا کہ ہندوں سے جائیداد کی خرید صرف اسی وقت جائز شمار ہو گی جب خود کسٹوڈین تصدیق کرے ۔ ورنہ قابل قبول نہ ہو گی لیکن یاروں نے اس قانون کے برعکس عمل کیا جو ناجائز تھا اور پوشیدہ رہا اور چونکہ کسٹوڈین کا محکمہ ختم ہونے کے بعد کسی عدالت میں قابل سماعت نہیں ۔ اس کھلی ہوئی جعل سازی سے سندھ کی ہندوؤں کی چھوڑی ہوئی جائیدادوں کا بیشتر حصہ یارانِ شاطر ڈکار گئے گویا چمکتے سورج

کی روشنی میں دن دہاڑے ڈاکہ مارا جس کی کوئی دادرسی نہیں ہو سکتی ۔

جائیدادوں کے ضمن میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آغاخانیوں نے ان زمینوں اور جائیدادادوں میں بھی حصہ بٹایا جو تباہ حال مہاجرین کے لیے حکومت نے وقف کیں تھیں حالانکہ مقامی ساکنان ہونے کی حیثیت سے ان کا اس میں کوئی حق نہ تھا دولت بٹورنے کے یہ معلومہ ذرائع تو قابل فہم ہیں لیکن جو کچھ بصیغہ راز ہو رہا ہے ۔ وہ کسی کو کیوں معلوم ہونے لگا؟

ہندو دیوتاؤں میں ایک لکشمی دیوی (دولت کی دیوی) ہے ۔ چونکہ ہندوؤں کی تجارت کرنے والی برادری " بنئیے " کا زندگی کا مقصد وحید کمانا رہا ہے ۔

وہ اس غرض سے لکشمی دیوی کی پوجا کیا کرتے ہیں ۔ یونانیوں میں دولت سے محبت رکھنے والوں کے لئے دیوتا "مامن " MAMON کی عبادت کرنا ضروری خیال کیا جاتا تھا ۔ اب چونکہ آغاخانیوں کے مذہبی اصول بنیادی طور پر سراپا ہندوؤں سے لئے گئے ہیں اور ابتداء میں آغاخانیوں کے اجدادِ اولین میں کثرت تعداد یونانیوں کی شامل ہوئی تھی ــــ اور چونکہ ان کا ز آغاخانیوں) کا پہلا فرض ادائیگی رسوم مذہبی کے لئے دولت کا حصول ہے اور روایات میں بھی دولت کے خداؤں کی پرستش شامل ہے یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ جہاں یہ ہندوؤں کے اور دیگر دیوی دیوتاؤں پر اعتقاد رکھتے ہیں جن میں مچھلی ، کچھوا ، سوّر ، نرسی اور وامن (۹۲) وغیرہ شامل ہیں جو سب وشنو اوتار کا روپ ہیں (۹۳) اور (بقول خود خوجوں کے) وشنو کے اوتار حاضر امام (مولا) کے روحانی جدامجد ہیں اس لئے حاضر امام کے چیلوں کو لکشمی دیوی کی پوجا میں کیا تکلف ہو سکتا ہے ۔ دولت کمانے والی سب قوموں کا وطیرہ یہی رہا ہے اور یہ بھی چونکہ ہندوؤں اور یونانیوں سے نکلے ہیں یونانیوں اور ہندوؤں کی رسومات دینی و دنیاوی مذہب باطنیت میں شامل ہوتے

وقت اپنے ساتھ لائے تھے یقیناً لکشمی دیوی کی پوجا بھی کرتے ہوں گے۔ اور ایک ذریعہ دولت کمانے کا قمار بازی (گھوڑ دوڑ) ہے جسے آغاخانوں کی تین پشتوں نے قولاً (نوٹ م) اور عملاً جائز قرار دیا۔ یہ چند اشارات واضح طور پر ظاہر کر رہے ہیں کہ آغاخانیوں کا فرقہ یہودیوں کے اس اصول کے مطابق کہ " اقتصادی حکومت قائم کرلو قانون کی حکومت خود بخود تمہارے قدموں میں آگرے گی" (۹۴) پر عمل کر رہا ہے۔ دنیا نے امریکہ میں اور اسرائیل میں اس ضرب المثل کی صداقت دیکھ لی۔ ہندوستان کے بنیئے نے بھی اس گر پر عمل کیا تھا اور کامیاب تھا۔ رئیس امروہوی نے دولت کو "ڈالر علیہ السلام" کہہ کر خطاب کیا ہے۔ سعدی شیرازی نے فرمایا۔ ؎

اے زر تو خدا نئی ولیکن بخدا　　ستّارِ عیوب و قاضی الحاجاتی

انگریزی کی مثل ہے　MONEY MAKES THE - MARE . GO

(روپیہ گھوڑی کو بھگاتا ہے)

غرض یہ کہ لاتعداد شواہد اشارے کر رہے ہیں کہ " مذہب باطنی " کے پرستار جو قلعہ " الموت " کے فنا ہو جانے کے بعد سے دوبارہ اپنی عظمتِ رفتہ کو بحال کرنے کے لئے سات سو برس سے کوشاں تھے۔ انہوں نے اب بدلے ہوئے حالات میں اس کا نعم البدل اقتصادی حکومت سوچا ہے۔ اور پاکستان کے قیام کے بعد ۳۵ سال میں ایک حد تک اپنے عزائم کی خشتِ اول رکھنے میں کامیاب ہو چکے ہیں اور ہوتے جا رہے ہیں۔ ع　ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات

اگر لیل و نہار یہی ہیں تو کچھ عرصے میں پاکستان کی ساری تجارت بہ طفیل اسمگلنگ۔ دفاتر حکومت کی اجارہ داری بوساطتِ رشوت، اور ہر شخص کی جان و مال پر قبضہ بذریعہ خفیہ تحریک " موؤمینٹ " اسی جماعت کے ہاتھ میں ہوگی جس کا شو لیڈر ڈھکی چھپی بات نہیں۔ یقین نہ آئے تو آغا سلطان محمد خان کی سوانح حیات

MEMOIRS OF AGHA KHAN

اٹھا کر دیکھ لیجئے جس میں اگرچہ وہ خود " نیا الموت " نہ تیار ہو سکا لیکن اپنے اخلاف کے لئے بالکل اسی طرح اشارات چھوڑ گیا ہے۔ جس طرح یہودیوں کا PROTOCAL OF THE LEARNED ELDERS OF ZION. جو موجودہ اسرائیل کی بنیاد ثابت ہوا یا روس کے زار پیٹر دی گریٹ PETER-THE GREAT کی وصیت جس کے اشارات پر چل کر ایک چھوٹی سی ریاست MUSCOVY دنیا کی ہولناک ترین تنظیم کمیونسٹزم کا مرکز یعنی سب سے عظیم سلطنت روس آج دنیا کے سامنے ہے۔ پہلے ایک "چرسر" بھر زمین لے کر قادالموت وجود میں لایا گیا تھا۔ یہاں سر آغا خان نے سندھ میں ایک ٹکڑا زمین (جو چرسہ بھر سے بہت زیادہ ہے) کی خواہش کی۔ وہاں بعد میں تنظیم کی تشکیل ہوئی تھی یہاں بنی بنائی تنظیم نہایت منظم حالت میں موجود ہے۔ جس زمین سندھ پر باطنیہ اور قرامطہ کی اُمت کا محمود غزنوی سے پہلے سے دانت ہے۔ جس کے لئے حاضر امام نے حکومت شام کو ٹھکرا دیا اور جس کے بچانے کے لئے محمود جیسے عظیم فاتح کو غزنی سے آکر قرامطہ کو یہاں سے بیک بینی و دو گوش نکالنا پڑا تھا یعنی یہ کہ یہ ایک ایسی بساط ہے جس پر اسلام اور کفر کی زمانۂ قدیم سے جان جان کی بازی لگی ہوئی ہے اس میں کچھ تو راز ہے۔ اس گتھی پر اہل فکر و خرد کو پورے انہماک کے ساتھ اپنی فکری صلاحیتیں مرکوز کرنی چاہئیں۔ آخر کچھ تو وجہ تھی کہ ایران اور یوگنڈا نے انہیں اپنے ملک سے نکال دینے ہی میں اپنی عافیت سمجھی تھی۔

جادوئے نو

یہ نیا " الموت " ہے نئے طریقے اور نئی اُمنگیں ہیں گو ہتھکنڈے اور ارادے قدیم ہیں۔ یعنی پرانی شراب نئی مشک میں بھری جا رہی ہے۔

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ مشقِ ستم اور

جس قوم کو ۱۰۵ قلعے بغیر کسی فوج کے فتح کرنے کا "جادو" معلوم ہو اس سے کچھ بعید نہیں کہ وہ دوبارہ اپنے آزمودہ نسخے کو تجربے میں لائے جس کے اجزائے ترکیبی تو وہی ہوں لیکن نام اور کام جدید سائنٹیفک ہو۔

زمانہ قدیم میں حوروں اور بہشت کا لالچ دے کر کسی شخص کو قتل کرنے پر آمادہ کیا جاسکتا تھا تو آج ملازمت، تجارت اور مقدمہ میں مدد پہنچا کر (جو ان کے لئے بسبب تنظیم اور فراوانیٔ زر کچھ دشوار نہیں) ضرورت مند اشخاص کو بُرے سے بُرے کام پر (جو یقیناً قدیم طریقۂ قتل سے کم ہی ہولناک ہوگا) آمادہ کیا جاسکتا ہے یہ اشخاص اس ستم رسیدہ کے ۶۰ یزد اقارب ہوتے ہیں جسے پچھاڑنا اور شکار کرنا مقصود ہوتا ہے۔ زمانہ شیخ الجبال میں یہی ہوتا تھا کہ قتل کا ارتکاب رشتہ دار اور قریبی حلقہ کے لوگ کیا کرتے تھے جب ہی تو آقا کو غلام پر۔ غلام کو آقا پر۔ بیوی کو خاوند پر، خاوند کو بیوی پر، پڑوسی کو پڑوسی پر اور دوست کو دوست پر خشاشین ہونے کا شک رہتا تھا۔ موجودہ رشوت کا جدید طریقہ خنجر زنی والے دقیانوسی طریقۂ قتل سے یوں بھی بہتر اور پُراثر ہے کہ اس میں نہ تو قتل کے اور نہ نتیجتہً اس کے الزام اور خطرات کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں اور نہ کسی کو سزا ملنے کا اندیشہ ہوتا ہے نہ قاتلین کے ارباب بست وکشاد کو کروڑوں روپیہ مقدمے کی پیروی میں صرف کرنے کی ضرورت۔ پھر قتل کرنے کے لئے تو دشواری سے آدمی ملتے تھے اور انہیں تیار کرنے کے لئے بہت محنت اور مصارف اٹھانے پڑتے تھے اور خدشات الگ لیکن ایسے آسان کام کے لئے جس میں صرف زبانی جمع خرچ ہو اٹھانے والوں میں سے کسی فریق کو کسی ضرر کا اندیشہ مطلقاً نہ ہو صرف نفع ہی نفع ہو۔ ہینگ لگے نہ پھٹکری اور

ننگ چوکھاتے۔ ایسے لقمہ تر کے لئے تو بڑی آسانی سے زرخرید غلام دستیاب ہو سکتے ہیں۔ زمانۂ قدیم یعنی قلعۂ الموت والے دور میں مقتول وہ ہوتے تھے جو باطنیہ کے کافرانہ عقائد کی مذمت کرتے اور مذہباً انہیں نقصان پہنچاتا تھا اور اب وہ جو ان کی نفع اندوزی ان کی تجارت اور ان کی اسمگلنگ میں ان کے سدِ راہ ہوتے ہیں۔ پہلے خنجر کی نوک ان کے مخالف کو موت سے ہمکنار کرتی تھی جس کی جانکنی تھوڑے سے وقفہ میں ختم ہو جاتی تھی اب رشوت کی بغیر دھار کی چھری کا کرب مدتوں ان کے شکار کو تڑپاتا رہتا ہے۔

قدیم دور میں ایک شخص سے قتل کرانے کا کام لیا جاتا تھا اس زمانے میں جس طرح بھیڑیوں کا گلہ شکار پر چاروں طرف سے صرف ڈرانے اور تھکانے کے لئے یورش کرتا ہے اور غریب شکار جان کے خوف سے یہاں تک بھاگتا ہے کہ نڈھال ہو کر گر پڑے ایسی حالت میں وہ یا تو خود جان بحق ہو جاتا ہے یا پھر اسے لبِ دم حالت میں بھیڑیوں کی خوراک بننا پڑتا ہے۔ بس اسی طرح وہ انسانی بھیڑیے جو شکار ہونے والے کے عزیز واقارب ہی ہوتے ہیں ان سے شکار کو اتنا خوفزدہ یا دق یا مشتعل کیا جاتا ہے کہ وہ پولیس اور عدالت میں فریاد لے کر جانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اُس وقت پوری جماعت کے افراد مجرمین کی بھرپور امداد کرتے ہیں اور مجرمین کو سزا سے صاف بچا لاتے ہیں اس لئے کہ پولیس اور عدالتیں جماعت زیرِ بحث کی مٹھی میں ہوتی ہیں۔ ایک ایک مقدمے میں سالہا سال صرف کرائے جاتے ہیں اور اگر مقدمے دو چار ہوں تو اس طرح اس بیکس کی زندگی تمام ہو جاتی ہے اور وہ نڈھال ہو کر گر پڑتا ہے۔ نظر آنے والے دشمن خود اس بدنصیب کے جگر پارے ہوتے ہیں۔ بقول سعدی شیرازی ؒ

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد

چھپے ہوئے ہاتھ جو ان کٹھ پتلیوں کو نچاتے ہیں وہ جماعت مذکور کے اراکین

ہوتے ہیں - اراکین بھی ایک دو نہیں پوری جماعت مکمل اتحاد و یکجہتی کے ساتھ محترم کریم غلام علی جو اس جماعت ہی کے ایک ایماندار فرد تھے ان کی کتاب پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس جماعت کو مقدمات بگاڑنے، فائلیں چوری کرانے رشوتیں دینے اور فریق مخالف کے وکیل کو توڑ لینے میں خاص مہارت ہے -

ان ہتھکنڈوں کا جو دور انِ حکومت انگلشیہ ڈیڑھ صدی سے یہ فرقہ آزماتا چلا آیا ہے - اُنہیں خوب تجربہ ہے اس لئے ان کا وہ مہرہ جسے سامنے رکھ کر یہ اپنے شکار کو عذاب دائمی میں مبتلا رکھتے ہیں سزا سے محفوظ رہتا ہے مرنے والے کو یہ پتہ بھی نہیں چلتا کہ وہ کسی تیر کا شکار ہوا یا قدرتی موت کا اور اگر وہ تیر تھا تو کدھر سے آیا گویا سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹی - ع

ناوک سے کیا ہوا اُس نگہہ ناز کو نسبت
ہے تیر مگر یہ مگر اُس کی ہے کماں اور

غنیم کو مشتعل کر کے خود پہ حملہ کروانے کا گر ایک آزمودہ سیاسی چال ہے جس سے حکومتوں اور افراد نے مات کھائی ہے - جنگ بلقان میں حکومت ترکی کے خلاف روس نے اور ۱۹۷۱ء میں پاکستان کے خلاف بنگلہ دیشیوں نے یہی حربہ استعمال کیا تھا - انگریزی لغت میں اس کے لئے AGENT PROVOCATEUR کی اصطلاح درج ہے اس حربہ میں بھی جماعت زیرِ بحث خوب مشاق ہے اور کامیابی کے ساتھ اسے استعمال کرتی رہی ہے -

ان باطنیوں کے معاملات میں زمانۂ قدیم کی طرح وہ ہی سدِ راہ ہو سکتے تھے جو ملک و مذہب کا درد اپنے دل میں رکھتے ہوں چنانچہ اسلامی مملکت پاکستان میں جو مسلمانوں کی پناہ گاہ ہے نہ جانے کتنے بے گناہ مسلمان زندہ در گور رکھ کر ان خطرناک بھیڑیوں کی حرص و آز کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیئے گئے -

کیونکہ وہ ان کی راہ میں خواہ وہ اسمگلنگ ہو یا مذہبی اختلافات، رکاوٹ ثابت ہو رہے تھے۔

نقاب کشائی

نہ جانے کیوں وہ علاقہ جو اب پاکستان کہلاتا ہے۔ زمانہ قدیم سے قرامطہ اور باطنیہ کی سرگرمیوں کی جولانگاہ رہا ہے۔ محمود غزنوی اولاً قرامطہ ہی کی سرکوبی کے لئے یہاں حملہ آور ہوا تھا یعنی قرامطہ (باطنی) محمود سے قبل بھی یہاں براجمان ہو چکے تھے پھر باطنی داعی پیر کبیر الدین اور پیر صدر الدین سات سو برس ہوئے۔ یہاں بغرض تبلیغ اشاعتِ دین باطنیہ وارد ہوئے پھر ۱۸۴۰ء میں آغا خان اول کا رخ ایران سے فرار کے بعد بھی اسی طرف ہوا تھا (درمیانی عرصہ میں کتنے اور باطنی یہاں آئے وہ تاریخ کے اوراق پر نہیں) آغا خان موصوف نے اپنی خدمات کے عوض جو ریاست طلب کی تھی وہ اسی سندھ کی سرزمین پر تھی۔ کلکتہ سے واپسی کے لئے جو درخواست آغا خان اول نے کی وہ بھی اسی علاقہ کی قربت کی خواہش کا اظہار تھا۔ آغا خان سوم نے بمبئی سے اسی سندھ کو علیحدہ کرایا تھا۔ جنگِ آزادی ہند ۱۸۵۷ء ان کا عمل گواہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کا مفاد ان کا مطمع نظر نہ تھا (گو اب پاکستانیوں کو یہی بات کہہ کر اپنی مسلمان دوستی کا یقین دلایا اور فریب دیا جا رہا ہے) ان کے پوشیدہ ارادوں کا تو ہمیں پتہ نہیں لیکن باطنیوں کے قدیم اقدامات کے پیش نظر ان کے دلی عزائم کا قیاس کر لینا ناممکن بھی نہیں یہ چیز اظہر من الشمس ہے کہ سندھ میں حکومت قائم کرنا قوم باطنی کی پرانے زمانے سے آرزو ہے جو سہواً اور اتفاقاً آغا خان سوم کی زبان سے اس وقت ظاہر ہوئی جب جنگ عظیم اول کے اختتام پر فرانس نے موصوف کو شام (SYRIA) کی بادشاہت کی پیش کش کی تو انہوں نے یہ کہہ کر اس بادشاہت کو ٹھکرا دیا کہ ایک صدی یعنی میرے دادا

امام حسن الحسینی کے وقت سے ہمارا خاندان جو حکومت انگلشیہ کی وفاداری کے ساتھ خدمت کرتا چلا آیا ہے اس کے عوض مجھے سندھ میں ایک ذرا سا ٹکڑا زمین مل جاتا تو وہ مجھے شام کی بادشاہت کی بہ نسبت زیادہ پسند ہوتا۔ ظاہر ہے کہ باطنیوں کی نگاہیں زمانہ دراز سے سندھ (جو اب پاکستان ہے اور جس کا عروس البلاد کراچی ان کا گڑھ بنا ہوا ہے) پر لگی رہی ہیں۔

انگریز نے آغاخان کے ساتھ ہر طرح کی مراعات کی تھیں لیکن زمین کا ایک ٹکڑا تک نہ دیا تھا کیونکہ وہ باطنیوں کے قلعہ الموت کی "چرسہ" بھرزمین کے واقعہ سے خوب واقف تھا شہر کراچی اس لئے بھی ان کے لئے متبرک ہے کہ یہ سر سلطان محمد آغا خان سوم کی جائے پیدائش ہے جو حسن بن صباح کے بعد آسمان نزاریت کا سب سے زیادہ روشن ستارہ تھا۔ اگر حسن بن صباح کو بانی مذہب نزاریہ یا اس کا پیغمبر سمجھئے تو آغاخان موصوف کو اس کا مجدد اول ماننا پڑے گا۔ ان آغاخان کے ایک فرمان میں لکھا ہے کہ "لوگ کربلا میں جاکر سھوکٹ میں اپنا وقت کیوں ضائع کرتے ہیں امام حسین تو یہاں جماعت خانہ میں بیٹھے ہوئے ہیں" (۹۵) اگر کوئی ایک جماعت خانہ کربلا کا نعم البدل ہوسکتا ہے تو وہ مقام جہاں جماعت خانوں کا جمگھٹ لگا ہوا ہے۔ اور جوان مجدد باطنیت (جو آغاخانیوں کا خدا۔ ان کا قرآنِ ناطق۔ ان کا مولا ہے) کا جائے پیدائش ہے تو وہ ان کے نزدیک ضرور وہی مرتبہ رکھتا ہوگا جو کسی مسلمان کے لئے مکہ مکرمہ کا اور وہ یہی کراچی ہے۔ یہ بیان ایک ہندو اہل قلم ڈاکٹر کھلنانی کا ہے کہ "انگریزوں کی فتح سندھ سے بہت پہلے سے آغاخانی" کراچی میں موجود تھے۔ جب یہ ایک گاؤں کی حیثیت رکھتا تھا۔ ایک ہندو کو مسلمانوں کے اندرونی معاملات سے کیا غرض۔ اس لئے یہ بیان غیر جانبدارانہ اور قابل یقین ہے اور ثابت کررہا ہے کہ یہ علاقہ قرون وسطیٰ سے آغاخانیوں کا مرکز نگاہ ہے۔ اور نیز یہ کہ یہاں مدت سے ان کے داعی (مشنری) سرگرم عمل رہے ہے

ہوں گے۔ کوئی تعجب نہیں کہ پیر صدر الدین اور پیر کبیر الدین کے ساتھ اور داعی بھی یہاں تشریف لائے ہوں بلکہ اشاعت و تبلیغ باطنی کے لئے بھیجے گئے ہوں۔

جس طرح مسلمان اپنے نبی محترم کی جائے ولادت مکہ پر مسلمانوں کی حکمرانی کے سوا کسی اور قوم کی حکمرانی برداشت نہیں کر سکتے اسی طرح آغاخانی باطنی اپنے مجدد اول کی جائے ولادت کراچی پر، آغاخانی کے علاوہ کسی دوسری قوم کا تصرف کیسے برداشت کر سکتے ہیں ان کی کربلا اور ان کا مکہ تو یہی ہے۔ سو سال تک انگریزوں سے بھیک مانگنے کے بعد بھی ان کی مطلب براری نہ ہوئی تو انہوں نے متبادل طریقے اپنے ہزار سالہ مقصد (OBJECTIVE) کو حاصل کرنے کے لئے اختیار کئے اور اس میں اس حد تک کامیاب ہوئے کہ آج کراچی کی تجارت، کراچی کی جائیدادیں، کراچی کی صنعت، کراچی کا تعلیمی نظام، کراچی کے سرکاری ادارے اور کراچی کی سرمایہ کاری پر کافی حد تک ان کا کنٹرول ہے۔ باقی دیگر اقوام کٹھ پتلیاں ہیں جو ان کے تاروں پر ناچ رہی ہیں۔ اور اگر یہی لیل و نہار رہے تو چند سال بعد کا تصور کیجئے۔ یہ حالت پاکستان کے قیام کے بعد یعنی صرف پینتیس ۳۵ سال کی کہانی ہے۔ ابتدائے عشق ہے آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

ایران اور یوگنڈا نے انہیں اپنے یہاں سے نکالنے ہی میں اپنی عافیت سمجھی تھی۔ نہ جانے پاکستان میں کیوں ان پر دستِ شفقت رکھا جا رہا ہے۔ کیا ایران اور یوگنڈا کی مثالیں ہماری رہنمائی کے لئے کافی نہیں؟

قلبِ ماہیت

پاکستان کے قیام سے پہلے ہم نے دیکھا تھا کہ جو آغاخانی معمولی پیشے کرتے

تھے۔ دیکھتے دیکھتے کروڑ پتی بن گئے۔ تجارت کے ہر شعبہ اور شہر کے ہر حصہ پر چھا گئے۔ کراچی میں اب پوری پوری کالونیوں کے مالک بڑی بڑی فیشن ایبل آبادیوں میں عالیشان بلڈنگوں پر قابض پورے شہر میں ہر جگہ یہودیوں کے (CHETTOO) کی طرح ان کی بستیاں (POCKETS) سب سے الگ تھلگ۔ صرف ان ہی کے لئے مخصوص کسی اور کو یہاں بسنے کا اختیار نہیں۔ انہوں نے بڑے بڑے مستحکم اور ہیبت ناک قلعے بنائے ہیں جن کا نام "جماعت خانہ" رکھا ہے۔ کسی کی کیا مجال کہ ان کے قریب کھڑا ہو کر انہیں غور سے دیکھ لے اندر جانے کا تو ذکر ہی کیا۔ بہانہ یہ کہ ہم نے اپنی عورتوں کی حفاظت کے لئے انتظامات کئے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر ان "جماعت خانوں" سے وہی کام لیا جاسکتا ہے۔ جو قلعوں سے بوقت جنگ لیا جاتا ہے۔

یہاں ان کے مذہبی اداروں کا نام حکومت کے محکموں کے نام پر رکھا گیا ہے اور تنظیم کے اعتبار سے بھی یہ گورنمنٹ ہی کے محکمے معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی علیحدہ اپنی فوج ہے جو پونوسو (PONNOSO) کہلاتی ہے۔ بلا استثناء ہر خوجہ بچپن ہی سے اس "لشکر" کا سپاہی بنالیا جاتا ہے (۹۶) ان کا علیحدہ اپنا قومی ترانہ ہے (۹۷) علیحدہ اپنا پرچم ہے جس پر سبز رنگ (علامتِ امن) کی زمین پر اوپر سے نیچے تک سرخ رنگ (علامتِ خون) کی پٹی کھینچی ہوئی ہے۔ یعنی بغیر خون کا دریا بہائے امن قائم ہونا ممکن نہیں۔ آغا خان سوئم سلطان محمد خان نے یہ جھنڈا سب سے پہلے اس وقت لہرایا تھا جب جنگ عالم دوئم اپنے شباب پر تھی اور وہ انگریزوں سے اسمٰعیلی (آغاخانی) حکومت قائم کرنے کے لئے سرزمین سندھ پر ایک ریاست کا خواستگار تھا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ وہی پرچم ہے جسے حسن بن صباح نے قلعہ "الموت" پر بلند کیا تھا (۹۸) ہر خوجہ "کتابِ مقدس" (آغاخانی قرآن) کی اس پیشن گوئی پر پختہ ایمان رکھتا ہے کہ "شاہ (یعنی آغاخان بمعنی خدا) اسمٰعیلی

خوجوں کو ایک سلطنت دے گا ۔ اور یہ اسمٰعیلی (رکھیاں) سلطنت ہمیشہ قائم و دائم رہے گی ۔ " (RKM ۵۷/۵۲) (۹۹) یہ امور کس چیز کی غمازی کرتے ہیں ۔ کیا امنگیں اور کیا نیت ہے ۔

ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے ۔

پردہ داری بھی استعارۃً نہیں ۔ ان کی ہر بات ، ہر عمل ، ہر چیز پر رازداری کا دبیز غلاف چڑھا ہوا ہے ۔ گزشتہ سال چترال میں خوجوں اور مسلمانوں کے درمیان فساد ہوا تھا ۔ جس میں آغاخانی لیڈرشپ نے ۔ آغاخان فاونڈیشن قائم کر کے کروڑوں روپیہ مسلمانوں پر صرف کیا ع بہت باریک ہیں واعظ کی چالیں

نیز فوجی اہمیت کا سامان مثلاً جیپ اور ہیلی کاپٹر بھی بھیجے ۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے کیا یہ مسلمانوں کو خرید کر انہیں استعمال کرنے کی ترکیب نہیں ۔

سرچشمہ باید گرفتن بہ بیل جو پر شد نہ شاید گرفتن بہ پیل

یہ کس بات کی پیش بندی ہے ۔ کسی غیر آغاخانی سے کوئی چیز خریدی جاتی ہے اور نہ اسے ملازم رکھا جاتا ہے ۔ یعنی غیر آغاخانی سے روپیہ کمالیا جاتا ہے جو ہمیشہ کے لئے آغاخانی کے پاس چلا جاتا ہے واپسی کی امید نہیں کیونکہ وہ غیر قوم سے خریداری نہیں کرتا ۔ اس طرح آہستہ آہستہ آغاخانیوں کی اقتصادی حکومت ہندوستان کے بنئے کی طرح بڑھتی جا رہی ہے ۔

ہندوستان کا بنیا مسلمانوں کا خون ضرور چوستا تھا مگر نہایت پیار اور اخلاق کے ساتھ لیکن آغاخانی خون بھی چوستا ہے اور قہر آلود نگاہوں سے بھی دیکھتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ غیر آغاخانی مسلمان کو خود سے دور رکھے ۔

کیوں نہ ہو جب ان کی کتابوں میں مسلمانوں کو صاف اور بغیر ڈھکے چھپے الفاظ میں " کتا " لکھا گیا ہے (۱۰۰) تو جماعت خانہ کی دیواروں کے پیچھے اور گھروں کے اندر

کیا کچھ اور کتنی مرتبہ نہ کہا جاتا ہو گا اور جب مسلسل اور مستقلاً ایک دیرا اثر زہر (SLOW POISON) کے انجکشن دیئے جاتے رہیں تو دل و دماغ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہ سب کچھ ضرور کسی تنظیم کے تحت ہو رہا ہے۔

ع کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ انتظامات کس چیز کی تیاری کے لئے ہیں۔ اس عالم اسباب میں کوئی بات بلا سبب نہیں ہوتی۔ یہ نکات ہمارے اہلِ فکر اور اربابِ بست و کشادِ حکومت سب کے لئے قابلِ غور ہیں۔ یہ چند اڑتے ہوئے تیر ہیں جو ہدفِ صیاد کی نشاندہی کر رہے ہیں ہمارے یہاں ایسے صاحبانِ بصیرت کی کمی نہیں جو حالات کا صحیح اندازہ نہ لگا سکیں صرف تھوڑی سی توجہ درکار ہے۔ بس جرأتِ رندانہ چاہیئے۔

ذیل کا اوّل حصہ تمہید نگار اور آخری حصہ خود نامدار آغاخان کا زبانی بیان ہے۔

The Agakhan's decision not to entertain seriously the French Government's project (OF the Kingdom of Syria) did him very much credit.... But Syria as a Kingdom had considerable advantage over the modest request, the Agakhan had made for a small slice of territory in Sind.... While the world was heading for a war the Agakhan was negotiating his own private plans to acquire temporal power in India....In October 1938 he launched another attempt to make the future of his elder son safe and secure..... (he did not ask a large amount of territory) ...."as will give my heirs the assured prospects of continuity in the tradition of attachment to British Crown and loyal and influential services to the Crown in India, which was established by my grand father nearly a century ago"

.... The services, the Agakhan afforded the British Government as their secret agent.... references are also made to services rendered.. On the North-West Frontier....it had long been felt amongst the Ismaily community ....to possess a National Home where they could build up their own financial centre.... a territorial state....in view of the strength of Ismaily sentiments....I made approach to the Government of India.........

ترجمہ :- آغاخان کے اس فیصلے کو کہ اُس نے فرانسیسی گورنمنٹ کی پیش کش حکومت شام کو ٹھکرادیا بہت سراہا گیا - لیکن آغاخان کی ایک " چھوٹے ٹکڑے " زمین کی درخواست پر جو سرزمین سندھ پر ہو - کی بہ نسبت ملک شام سے زیادہ فوائد حاصل ہو سکتے تھے - جبکہ دُنیا دوسری جنگِ عالم کی طرف کھنچی چلی جارہی تھی آغاخان ہندوستان میں ارضی جائیداد کی کوشش میں " جسے اس کی اولاد کا مستقبل بن سکے " غور کر رہا تھا (اس نے کسی بڑے علاقے کا مطالبہ نہ کیا تھا) یہ روایت اس کے دادا کی قائم کی ہوئی تھی - انگریزوں کے خفیہ جاسوس کی حیثیت میں آغاخان نے شمالی مغربی صوبہ میں بہت خدمات انجام دی تھیں " اسمٰعیلی فرقہ بڑی مدت سے یہ سوچ رہا تھا کہ اسے ایک قومی وطن مل جائے ان کے جذبات کے احترام میں " میں نے گورنمنٹ آف انڈیا کو درخواست دی تھی " یہ چند اقتباسات قارئین کی ضیافت طبع کے لئے پیش کئے گئے ورنہ داستان لمبی ہے (۲۰۱)

"جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے" ۔ خود آغاخان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کے بعد آغاخانیوں کے عزائم میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ ان کا منتہائے نظر پاکستان پر حکومت ہے ۔ ہم اور دُنیائے بسیط نامدار آغاخان سوم کی مرہونِ منت ہیں کہ انہوں نے اپنی سوانح حیات میں بعض ان رازہائے سربستہ کے رُخ سے نقاب اٹھا دیا جو ڈیڑھ سو سال سے ایک لاینحل معمہ بنے ہوئے تھے ۔ یہ کہ آغاخان اول نے جو ہزاروں عقیدت مندوں کی قربانی (۱۰۲) اور ایک اسلامی سلطنت کو فرزندانِ اسلام کے ہاتھوں سے چھین کر کافر فرنگیوں کو نقرئی قاب پر رکھ کر بطور تحفہ دی تھی وہ کس مقصد کے لئے دی تھی، موصوف کے خود نوشت سوانح سے یہ عقدہ کھلا کہ وہ مقصد سندھ میں "ایک چھوٹا سا ٹکڑا زمین تھا اور یہ کہ یہ ان کی قوم کی آرزو تھی" ۔ کیا ان کی قوم اس آرزو سے دست کش ہو گئی ہو گی ۔ جس کے لئے انہوں نے ایک اسلامی سلطنت کو مٹا ڈالنے میں بھی دریغ نہ کیا تھا ؟ ظاہراً حالات اس کے برعکس گواہی دے رہے ہیں یہ حاضر امام سر سلطان محمد خان کا ہم پر احسان ہے کہ وہ ایک چیستاں ہمارے لئے حل کر گئے اور ہمارے لئے ایک ایسا نایاب سبق چھوڑ گئے جس کا بھولنا ہمارے لئے موت کو دعوت دینا ہو گا ۔ گو وہ بھول کر ایسا کر گئے لیکن احسان اپنی جگہ مسلّم ہے ؎

چھوڑا نہ عشق نے انہیں رسوا کئے بغیر
آیا نہ چین انجمن آرا کئے بغیر

انگریزی میں جناب حاضر امام صاحب نے = LOYAL-INFLUENTIAL

"SERVICES TO THE CROWN IN INDIA" برطانوی ہند کی وفاکیشانہ اور بااثر و رسوخ خدمات" کے الفاظ رقم فرمائے (۱۰۳) ان کلمات سے حکومت انگلشیہ کے مفاد میں مسلمانانِ ہند پر اپنا اثر و نفوذ استعمال کرنا (یعنی مسلمانوں کو بیوقوف بنانا) تو ظاہر ہے لیکن " وفاکیشانہ خدمات " کی نوعیت پر روشنی نہیں پڑتی ۔

ایک دوسرے اہل قلم مسٹر گرین ویل (HARRY J. GREEN WEEL)
نے ذرا سی تفصیل ان خدمات کی فراہم کی ہے وہ یہ کہ جنگ عظیم اول کے قریبی دور میں جناب حاضر امام آغاخان سوم انگریزوں کے جاسوسی کے منصب جلیلہ پر سرفراز تھے اور دشمن کے ان مقامات کی خبریں اور اطلاعات لاکر دیتے تھے جہاں انگریزوں کا محکمہ سراغرسانی ناکام ثابت ہوا تھا (۱۰۴) ان مقامات میں افغانستان اور اس کے قرب و نواح کا علاقہ ان کی جولانگاہ تھا۔ جب تک ہندوستان میں حکومتِ انگلشیہ برسرِ اقتدار رہی آغاخان موصوف کی خدمات کی ہمیشہ ضرورت پڑتی رہی (۱۰۵) جنگِ اول کا قریبی دور اور افغانستان میں جاسوسی" ایسا فقرہ ہے جس سے باخبر حضرات چونکے بغیر نہیں رہ سکتے یہ وہ زمانہ ہے جب فرنگی اقتدار اسلام کے اُس بطل جلیل کو افغانستان سے ذلیل کرکے نکلوانے کی تگ و دو میں لگا ہوا تھا جس پر آزادئ ہند کے لئے مسلمانوں کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں اور وہ تھے امیر امان اللہ خاں جن کے متعلق مولینا ظفر علی خان مرحوم نے فرمایا تھا۔ ؎

ہوا کرتے ہیں پیدا رات دن سقّوں کے گھر بچے
مگر ہر روز امان اللہ خان پیدا نہیں ہوتے

یہ وہ زمانہ تھا، جب ترکوں کے خلاف عرب میں بغاوت کی آگ بھڑکانے والا اور امان اللہ خان کے خلاف ملّا شور بازار سے شورش کرا کے انھیں افغانستان سے نکلواتے والا ہوائے عالم کرنل لارنس پیر کرم شاہ کا نام رکھے اور مولویانہ لباس پہنے پشاور میں مسلمانوں کے ہاتھوں پکڑا گیا تھا اور ڈرگ روڈ کراچی کے ہوائی اڈے پر بطور ایک عام ملازم سرکار دیکھا گیا تھا۔ یعنی سلطنتِ برطانیہ امان اللہ خان سے تاج و تخت چھنوانے میں پورے انہماک کے ساتھ مصروف تھی۔ آغاخان سوئم کامیاب جاسوس بھی تھا۔ افغانستان کے قرب و جوار کا علاقہ اس کا حلقۂ عمل بھی اور وہ بااثر اور بارسوخ مسلمان بھی اور یہ زمانہ بھی وہی جب امان اللہ خان سے تاجِ شاہی چھیننے کی کوششیں اوج پر تھیں۔ گو براہ راست

تاریخ کے اوراق پر یہ بات نہیں آسکی لیکن دنیا میں رونما ہونے والے سب کے سب واقعات تاریخ کے صفحات پر مذکور نہیں ہیں مگر بالواسطہ شہادت اور قیاس انسانی پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ فرنگی شاطر نے بساط کے اس فرزین کو جسے آغا خان سوئم کہا جاتا ہے امان اللہ خان کو شہ مات دینے کے لئے ضرور استعمال کیا ہوگا اور جن کا جدی پیشہ ہی اسلام اور مسلمانی حکومتوں کو پامال کراتا رہا ہو انہیں ایک اور اسلامی فرماں روا کو ختم کرا دینے میں کیا تکلف ہو سکتا تھا۔ قرائن بتا رہے ہیں کہ خان صاحب موصوف کی سیاسی سوجھ بوجھ اثر و نفوذ اور حسن تدبر نے اس قدیم مملکت اسلامی سے امان اللہ خان کے اخراج میں بھرپور حصہ لیا ہوگا تاکہ وفا کیشی کے عمل میں کمی نہ رہ جائے لیکن احسان فراموش فرنگی نے اس کی وفاوں کا بدلہ طوطا چشمی سے دیا جب ہی تو وہ اپنی میمائیر MEMOIR میں بصد حسرت دیاس اپنی خدمات اور اپنے نامہربان آقا انگریز کی بدعہدی کا ماتم کرتا نظر آرہا ہے (۱۰۶) یہ مختصر روئیداد تفصیل کی متحمل نہیں ہو سکتی اگر آغا خان موصوف کی تڑپ کا پوری طرح اندازہ کرنا ہو تو اس کی خود نوشت سوانح حیات MEMOIR کا مطالعہ کیجئے ان مسلمان نما منافقوں نے ہمیں بھی ڈبویا اور خود بھی فلاح نہ پائی۔

چور دروازہ

اب جناب " حاضر امام " صاحب نے پاکستان میں ایک میڈیکل کالج کا سنگِ بنیاد رکھا ہے۔ اس میں ۶۵ فیصدی طلباء لازمی طور پر فرقہ آغاخانی کے داخل کئے جائیں گے اور باقی ۳۵ فیصد اہلیت کی بنیاد پر، ظاہر ہے کہ ۳۵ فیصد میں بھی اکثریت شاید ۳۰ فیصد آغاخانیوں ہی کی ہوگی، رہے ۵ فیصد تو وہ بھی وہ ہوں گے جو ان کے ہم نوا ہوں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ان سب کا تقرر اپنے قریبی عرب ممالک ہی میں ہوگا جہاں دولت بٹورنے کے علاوہ ان علاقوں کی میڈیکل سروس پر ان ہی کی حکومت ہوگی اور ان کے اختیار میں ہوگا کہ جس حکمران سلطنت سے جو بات چاہیں وہ منوالیں اور اگر وہ نہ ماننے پر جھکے سے انجکشن دلوا کر ٹھنڈا کرادیں۔ یہ منوانے والی باتیں وہی ہوں گی جس سے آغاخانی مذہب کو فروغ ہو جس سے عرب ممالک قلعۂ الموت کے زمانہ سے ابھی تک پاک رکھے گئے تھے اور ان کی تین سو برس کے قتل و غارت گری کا دور دورہ بمشکل تمام ختم ہوا تھا۔ سُنا یہ بھی جارہا ہے کہ جناب حاضر امام صاحب مشہور دوران فلم ایکٹریس ریٹا ہے ورتھ (RITA HAY WORTH) کی لڑکی یاسمین جو ان کی سوتیلی بہن ہے اور جس نے اب جوانی کی منزل میں قدم رکھا ہے اسے اپنے ساتھ لائے ہیں ماں اپنی سحر طرازی میں یکتائے روزگار تھی تو بیٹی اس سے

زیادہ نہیں تو کم بھی نہ ہوگی ؎

یارب اس ساغرِ نوخیز کی مے کیا ہوگی
جادۂ راہِ فنا تھا خطِ پیمانۂ دل

اس ضمن میں قابلِ غور یہ بات بھی ہے کہ آغاخانی نرسوں کی بڑے پیمانے پر تربیت ہو رہی ہے جس کے خرچ کا بار پاکستانی خزانہ پر پڑ رہا ہے۔ جو قوم کا سرمایہ ہے پھر وہ آغاخانی نرسیں عرب ممالک کو ایکسپورٹ کی جائیں گی۔ عرب ریاستوں میں کیا کچھ ہوتا ہے اور ہوگا وہ سب کو معلوم ہے۔ ؏

اب بہہ رہی ہے گنگا کھیتوں کو دے لو پانی
کچھ کر لو نوجوانو اٹھتی جوانیاں ہیں

بھارت کی ممبر پارلیمنٹ مسز کھتری اسکیم بناتی ہی رہیں اور یہاں یاروں نے میدان مار بھی لیا۔ ؏ جو بڑھ کر ہاتھ میں لے لے یہاں مینا اُسی کا ہے۔

دوسری چیز جو قابلِ توجہ ہے وہ یہ کہ ہمارے غیر آغاخانی ڈاکٹر جن کے سلسلۂ روزگار پر اس پروجیکٹ کا اثر پڑے گا اور وہ بیروزگار ہوں گے ان کا قومی معیشت اور ملکی سیاسیات پر کیا اثر پڑے گا؟ کیونکہ یہ جو کچھ بھی کیا جا رہا ہے وہ سب انہوں کے لئے ہے۔ دوسروں کے لئے تو دسترخوان سے بچے ہوئے ٹکڑے بھی ملنے کی امید نہیں جس کا مظاہرہ کاروبار میں۔ سکونت میں، طرزِ عمل میں۔ لین دین میں ہر جگہ ہو رہا ہے اور ہوتا چلا آیا ہے۔ ۱۸۵۷ء سے لیکر آج تک عملی طور پر انہوں نے خود کو مسلم قوم سے علیحدہ رکھا اور کینہ نکالا۔ وہ کینہ جو نو صدیوں سے انہیں تڑپا رہا ہے اور آتشِ کینہ کی دبی ہوئی چنگاری ان کی کتابوں سے صاف صاف اور کھلی کھلی گالیوں کی آمیزش کے ساتھ ظاہر ہے۔ یہ نئے طریقے پرانے عزائم یعنی حکومت (اقتصادی) قائم کرنے کے ہتھکنڈے ہیں ؏

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدرت را می شناسم

قلعۂ الموت کے بعد اب یہ نیا چور دروازہ ممالک اسلامیہ میں داخل ہونے کے لئے اور انتشار پیدا کرنے کے لئے کھولا گیا ہے۔ جہاں پہلے باطنی نام کا پرندہ نہیں جل سکتا تھا وہاں وہ اب سینہ تان کر دندناتے پھریں گے۔ کیا مذہب باطنیت کی تبلیغ واشاعت جو پہلے پوشیدہ کی جاتی تھی اب ڈنکے کی چوٹ نہ ہو گی؟ اور کیا اب کوئی ماں کا لعل باطنیت کی ترویج کو روک سکے گا۔ یہ ہے ان کے دین و دنیا دونوں کی کمائی۔ ع

دونوں ہاتھوں سے جو لوٹے تیری انگڑائی ہے

صلاح الدین ایوبی اور سلطان بیبرس کی روحیں تڑپتی ہوں گی کہ جو کام انہوں نے لاکھوں مسلمانوں کو قربان کر کے حاصل کیا تھا وہ ہم مسلمانوں ہی نے خاک میں ملا دیا یعنی خود اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی گردن گھونٹ کر دین بھی کھویا اور دنیا بھی۔ ع

ہر کس از دست غیر نالہ کند
سعدی از دست خویشتن فریاد

یہ امر قابل غور ہے کہ اگر پاکستان نہ بنتا یعنی برصغیر تین حصوں میں تقسیم نہ ہوتا تو بنگلہ دیش کا قائم ہونا ناممکن تھا۔ چنانچہ بنگلہ دیشی جو سیاست میں بہت تیز ہیں انہوں نے پاکستان کے قیام کے لئے بہت شور مچایا تھا۔ کیونکہ انہیں پاکستان کی صورت میں بنگلہ دیش کی تصویر بنتی نظر آرہی تھی۔ پاکستان کے بنتے ہی انہوں نے بنگلہ دیش کی جدوجہد شروع کر دی اور آخر اُسے بنوا کے ہی دم لیا۔ علیٰ ہذا القیاس مغربی حصہ برصغیر میں بھی ایک گروہ یہی آس لگائے بیٹھا تھا۔ پاکستان کے تشکیل پا جانے پر اس کی وہ مراد پوری ہوتی نظر آرہی تھی۔ جس کا خواب کئی پشتوں سے اس کے آباؤ اجداد دیکھ رہے تھے اور وہ گوہر مراد تھا "سرزمین سندھ"۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ پاکستان کے قیام سے سب سے

زیادہ فائدہ چمڑے کی کترنیں بیچنے والوں کو ہوا۔ اور ابھی تو ابتدا ہے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ ہمارے اربابِ تدبّر کے پاس بصیرت اور بصارت کی دُور بین اور دور بینی کی مہارت موجود ہے مجھ جیسا ہیچ میرز اگر ننگی آنکھ سے یہ سب تماشہ دیکھ سکتا ہے تو ان کے لئے جو آسمان بالا کے تاریک ستاروں کی کیفیت اور زمین کے سات طبقات کا علم رکھتے ہوں چنداں مشکل نہیں کہ انسانی عمل سے بناتے ہوئے پردوں کو نوچ کر حقیقت کا چہرہ نہ دیکھ سکیں۔ وما علینا الا البلاغ۔

الموت جدید

سُنا ہے کہ آج کل شریمتی اندرا گاندھی کو ایک نیا مرض لاحق ہو گیا ہے۔ وہ یہ کہ ان کے پیٹ میں (باؤ گولے کا نہیں) ناگر، ہنزہ، گلگت اور اسکاردو کے گوبوں کا درد اُٹھ رہا ہے۔

پینتیس ۳۵ سال بعد باسی کڑھی میں اُبال آنا بہت معنی خیز ہے۔ ضرور یہ کوئی تازہ کھچڑی پک رہی ہے جس کی پہلی آنچ کا اندرانی کی واویلا سے اندازہ ہوا مذکورہ علاقوں سے اندرانی کو دُور کا بھی واسطہ نہیں اس لئے کہ ان میں ہندوؤں کی نہیں آغاخانیوں کی آبادی ہے اور وہ بھارت دیش سے بہت دور اُتر میں روس کی دیوار کے سایہ میں پرورش پارہے ہیں۔ یہ تو وہی "آبیل مجھے مار" والی بات ہوئی۔ ادھر جناب "حاضر امام" صاحب بھی اس "سفید ریچھ" کی گود یعنی زیکوسلاوکیہ ZECHO SOLOVAKIA کی سرزمین کو اپنے قدم میمنت لزوم سے مشرف فرمارہے ہیں۔

علاوہ ازیں چترال میں قریبی مُدت میں آغاخانیوں اور مسلمانوں میں جو فرقہ وارانہ فساد ہوئے ان میں "پاکستان مردہ باد اور روس زندہ باد"

کے نعرے بھی آغا خانیوں ہی کی زبان سے سُنے گئے تھے ۔ اسی سے پہلے ایران کے خلاف روسی میر والس (۱۱۰) اور بہائی تحریکوں کو (۱۱۱) ہوا دے کر اور عملاً مدد پہنچا کر پڑوس کے اسلامی ممالک میں شر انگیزی کی مثال قائم کر چکا ہے ۔ اب موجودہ آغا خانی (باطنی تحریک) اسی پوزیشن میں ہے اور روس ہی سے آس لگائے بیٹھی ہے ۔ ان تمام اڑتے ہوئے تنکوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالئے تو ہوا کا رُخ صاف نظر آ جائے گا ۔ یعنی نو صدیوں سے جو باطنی تحریک مستقلاً ان ہی علاقوں یعنی پاکستان کے قرب و جوار میں اپنی حکومت کے قیام کی کوشش کرتی رہی تھی اور پھر ڈیڑھ سو برس سے انگریزوں کی خوشامد کرتے رہنے کے باوجود مطلب براری نہ ہو سکی تھی (۱۱۲) شاید اب اس کے لئے دوسرا راستہ یہ سوچا گیا ہو کہ آغا خانیوں کی اکثریت والے علاقوں پر بھارت اور روس سے مدد لے کر اپنا اقتدار قائم کیا جائے ۔ یعنی "الموت جدید" تشکیل دے کر اس قدیم نسخے کو آزمایا جائے ۔ جس کے ذریعہ ایک قلعہ پر قبضہ کر کے ایک سو پانچ قلعوں (۱۱۳) پر مشتمل حکومت وجود میں لائی گئی تھی جو ایک [۱۴۰] "سو ستر سال تک بحرِ روم سے بحرِ خزر یعنی ملک شام ۔ عراق اور ایران کے سروں پر سوار دنیائے اسلام کے لئے دردِ سر (۱۱۴) بنی رہی تھی اور اس کی وسعت اور بقا کے لئے باطنیہ حکمرانوں کو مسلمانوں کے دشمنانِ قدیم یعنی نصارائے یورپ سے مدد لینے میں بھی عار نہ آیا تھا (۱۱۵)

تصور کی آنکھ سے دیکھئے ویسا ہی پہاڑی علاقہ ویسے ہی تنومند قوی ہیکل اور ناخواندہ باشندے (۱۱۶) ویسی ہی جنگجویانہ طبیعتیں، ویسے ہی دشوار گزار راستے اسی طرح کی دشمنوں میں گھری ہوئی اسلامی سلطنتیں اور اس پر مستزاد یہ کہ بعض بڑی طاقتوں کے ۶-۱۰ ئم کے عین مطابق کہ مسلمانوں کے لئے نئے مسائل پیدا کئے جائیں جس کے لئے ان علاقوں میں ایک نئی حکومت پیدا کر کے ان کے سیاسی مقاصد کی تکمیل ہو سکے علاوہ بریں "الموت" میں تو بڑی جد و جہد اور تبلیغی کاوش

سے " باطنیت " کے پرستار پیدا کئے گئے تھے یہاں پہلے ہی سے ان کی بڑی تعداد تیار ہے اور " پاکستان مردہ باد " اور " روس زندہ باد " کی خواہاں ہے۔ کیا ان مضمرات اور امکانات کو سمجھنے کے لئے کسی غیر معمولی عقل و خرد کی ضرورت ہے؟

جناب آغاخان سوئم نے اپنی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ (یہودیوں کے دنیا میں " متمول ترین بینک کے مالکان) جیمز روشچائلڈ JAMES ROSCHILDE اور بیرن موریس ڈی روتھشچائلڈ BARON MOURICE DE ROSCHILDE پچاس سال تک اس کے بے تکلف اور اچھے دوست رہے " (۱۱۷) آغاخان کو ان دونوں نے مشورہ دیا کہ ہم نے (ROSCHILDE نے) اسرائیل " کی ریاست بنوائی تم کیوں " اسمٰعیلیوں " کے لئے ایسی ہی ریاست نہیں بنوا لیتے۔"

اس کے بعد آغاخان نے " اسمٰعیلی ریاست " کے لئے اپنی جدوجہد تیز سے تیز تر کر دی اگر یہ ریاست قائم ہو جاتی جو اس مماثلت کے ساتھ کہ یہودی اور اسمٰعیلی تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور دونوں دنیا کی متمول ترین قومیں ہیں۔ بلکہ اسمٰعیلیوں کو یہ تفوق حاصل ہے کہ وہ برعکس یہودیوں کے جن میں کئی فرقے اور تضادات موجود ہیں " یہ ایک حاضر امام " (مولا) کے حکم کے تابع اور بہت متحد ہیں پھر حکومت کو وسعت دینے کا سابقہ وسیع تجربہ بھی رکھتے ہیں۔ یہاں یہ جملہ معترضہ خالی از دلچسپی نہ ہو گا کہ آغاخان سوئم کے مسلمانوں کے بدترین دشمنوں سے ہمیشہ گہرے تعلقات رہے۔ مثلاً مذکورہ یہودیوں کے لیڈروں کے علاوہ مشہور مسلم کش ہندو لیڈر گوکھلے کو بھی اس نے اپنا نہایت پیارا اور گہرا دوست کہا ہے (۱۱۸)

جن قارئین کو یہودیوں کے مشہور صحیفے "پروٹوکول آف دی لرنڈ ایلڈرز آف زائن"

PROTOCOL OF THE LEARNEDELDERS OF ZION

کے مطالعے کا موقع ملا ہو تو وہ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ یہودیوں کی صدیوں کی بنائی ہوئی تسخیرِ عالم کی تدبیروں اور باطنیوں کے ہتھکنڈوں میں غضب کی مماثلت ہے کیوں نہ ہو خاندان روتھچائلڈ ROSCHILDE کا پچاس سالہ فیض صحبت اور نصیحت اور باطنیوں کے ہزار سالہ تجربات گلے مل چکے ہیں دونوں نے مل کر اس زہر کو دو آتشہ کر دیا ہے اور پھر زمانۂ جدید کی سائنس کی ایجادات کا اضافہ سونے پر سہاگہ ہے۔

جب ہی تو آغاخان موصوف نے اپنی وراثت کے کاغذات میں یہ بات نمایاں کر کے کہی کہ "میں اپنے بیٹے کو نظر انداز کر کے اپنے پوتے کو امامت کی گدی سونپ رہا ہوں (باطنیہ پشتینی روایات آغاخان موصوف کے اس عمل کے بالکل برعکس ہیں) (۱۱۹) تاکہ میری جگہ وہ شخص اس عہدہ پر سرفراز ہو جو سائنس کے موجودہ دور میں پیدا ہوا ہو"۔ یعنی یہ کہ باطنیہ تسخیرِ عالم کی قدیم تدابیر میں جدید سائنس کا اضافہ ہو کر یہ سستم قاتل تیز سے تیز تر ہو جائے جس کے سامنے دوسری تمام تنظیمیں سرنگوں ہو جائیں اور یہ تیر کسی طرح خطا نہ ہو سکے۔

شاید قارئین نے کبھی "شیخ الجبال" کی وجہ تسمیہ پر نظر تحقیق دوڑائی ہو ذہن تازہ کرنے یا سطور ذیل کی تمہید مہیا کرنے کے لئے میں یہاں اس کی وضاحت کرنے کی جسارت کر رہا ہوں "شیخ الجبال" کے معنی ہیں "پہاڑوں کا سردار" یہ اصطلاح اس لئے معرضِ وجود میں آئی تھی کہ باطنیہ فرقے کے مراکز یعنی ۱۰۵ قلعے پہاڑوں پر واقع تھے۔

سطور مندرجہ بالا کے مطالعے سے یہ تو صاف ہو گیا ہو گا کہ یارانِ طریقت مرے ہوئے "شیخ الجبال" کے خواب کی تعبیر تلاش کرنے میں مصروف ہیں۔ لیکن اس دفعہ انہیں کراچی پر تسلط قائم کر کے "شیخ البحر" اور "شیخ الجوی"

(سمندر کا سردار، اور ہواؤں کا سردار) کے امکانات بھی نظر آرہے ہیں ۔

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

مگر ان کی اس موہوم اُمید کا انجام ۔ ع
"جب آنکھ کھل گئی تو زیاں تھا نہ سود تھا"

کے مصداق شیخ چلی کا وہ قصرِ خیال ہے جو وہ مرغی کے انڈے بیچ کر ہوائی قلعے بنا رہا تھا کہ سامنے رکھی ہوئی اپنے ہی مال (انڈوں کی ٹوکری میں لات مار کے خود اپنی گرہ کی پونجی بھی کھو بیٹھا تھا ۔

انہیں قریبی تاریخ میں ملا ہوا "یوگنڈا" کا سبق اتنی جلدی نہ بھولنا چاہیئے جہاں ان کی آبادی قائم رکھنے کے لئے کریم آغاخان دوڑے ہوئے گئے تھے اور ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا مگر نتیجہ خاک نہ نکلا اپنا سا منہ لے کر جیسے گئے تھے ویسے ہی بے نیل و مرام واپس آئے شاید خوجوں کے خواب کی تعبیر پوری ہو جاتی مگر ان کی بے جا حرکتیں خود ان کی دشمن بن رہی ہیں ۔

بپا ہے اے یارو روزِ محشر چھپے کا کشتوں کا خون کیوں کر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر تو خوں پکارے گا آستین کا

یہ سب کچھ مطالعہ کرنے کے بعد یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ آغاخان اوّل کو جسے انگریزوں نے بمبئی سے شہر بدر کر کے کلکتہ بھیجا تھا وہ شاہ ایران کی ایماء پر تھا (۱۳۰) کیونکہ یہ وہاں بیٹھ کر ایران کے خلاف سازشوں کا جال پھیلا رہا تھا، اب اگر آغاخان سوئم نے یعنی سو سال کے بعد اس تمنا کا اظہار کیا کہ میں ایران کا شہری بننا پسند کروں گا ۔ ظاہر ہے کہ ایران میں تاحال ان کی سازشوں کے لئے میدان موجود ہے اور جب

بمبئی میں بیٹھ کر ایران ان کی سیاسی جولانگاہ بن سکتا تھا تو کراچی بہ نسبت بمبئی ایران سے بہت زیادہ قریب ہے۔ بنظر غائر دیکھا جائے تو کراچی کو مرکز بنا کر زیادہ آسانی سے اپنے منصوبوں کو بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ منصوبے کیا ہیں وہ اتاترک مصطفےٰ کمال پاشا کے مجموعی تقاریر اسے بخوبی ہو سکتا ہے

اتاترک نے اپنی تقریروں میں بدلائل یہ ثابت کیا تھا کہ وہ (آغا خان سوئم) خلیفہ اسلام بننے کی کوشش کر رہا ہے (۱۲۱) کمال پاشا کی رائے سے زیادہ وزن دار رائے کس کی ہو سکتی ہے۔ اس تمام بحث پر صرف ایک طائرانہ نظر ڈالئے تو واضح ہو جائے گا کہ فرقہ آغا خانی کے پیشوا اپنی عظمتِ رفتہ کو پھر بحال کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور یہ چیز آئینہ کی طرح صاف ہے کہ اس مقصد کے لئے اس دفعہ نقطۂ پرکار کراچی ہے۔ جہاں قدم جما کر ایران اور پاکستان تو کیا دنیائے اسلام پر اسی طرح علم اقتدار لہرایا جا سکتا ہے جس طرح خلافتِ اسمٰعیلی (باطنیہ) نے کبھی مکہ۔ مدینہ۔ بیت المقدس، بغداد مصر اور تمام شمالی افریقہ پر اپنی سطوت کا ڈنکہ بجوایا اور مساجد میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا تھا (۱۲۲)

کمیاب کتب

یہاں ان کتب کا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہو گا۔ جو دورِ قدیم و جدید میں مذہب حشاشین پر اہل فکر و ارباب قلم نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر لکھیں کیونکہ ہر جگہ ان باطنیوں کی موجودگی ایسی تحریرات لکھنے والوں کے لئے موت نہیں تو موت کے قریب بلکہ موت سے بدتر حالات پیدا کر سکتی تھی اور اب بھی پیدا کر سکتی ہے۔ اس لئے کہ ان صحائف میں باطنیوں کی بدعات

درج ہوتی تھیں جو بلا استثناء کفر، نواحش اور ارتداد کا پشتارہ اور ان کا لغویات کا کچا چٹھا تھیں جو باطنیت کے عقائد و اعمال کا خلاصہ ہیں۔ وہ کتب طبع ہوتے ہی غائب کرادی جاتی تھیں اب وہ تمام صحائف نہ تو دستیاب ہیں اور نہ بخوفِ طوالت ان کی مکمل فہرست کا اندراج یہاں ممکن۔ اشارۃً چند کتابوں کا تذکرہ مختصر الفاظ میں کردیا گیا ہے کہ شاید کسی تشنہ لب کو ہاتھ لگ جائیں۔ اس لئے کہ خود میری زیرِ نظر تالیف ایک مختصر سا جائزہ ہے ضخیم جلد نہیں جو اربابِ شوق کی تشنگیٔ علم کو تسکین دے سکے۔ ایک حقیر ہدیہ ہے ع گر قبول افتد زہے عز و شرف

فہرست کُتب قابل حصول

(۱) "ہمارے اسمٰعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام" مطبوعہ جامعہ عثمانیہ دکن، مصنفہ ڈاکٹر زاہد علی پی ایچ ڈی۔

(۲) CHIVALIER JOSEPH.VON HAMMER

شوالیر وان ہیمر جرمنی کا وہ شہرہ آفاق اہلِ قلم گذرا ہے جس نے آج سے دو صد سال پیشتر باطنیہ فرقہ پر ایک مستند تاریخ بعنوان GEST-ICHTE-DE AFFASSINS (تاریخ حشاشین) جیسی نایاب کتاب لکھ کر دنیا پر ایک احسانِ عظیم اور علم کی بے بہا خدمت کی تھی۔ فاضل مورخ نے اپنی کتاب میں اوّلین عربی، فارسی، ترکی اور یورپی ماخذات کے علاوہ وہ ذخیرہ معلومات بھی بھر دیا تھا جو آج دنیا میں ناپید اور خود مصنف کے دور میں بھی کمیاب تھا۔ یارانِ شاطر نے طبع ہوتے ہی یہ قیمتی تصنیف دنیا کے ہر ایک گوشے سے غائب کرادی کیونکہ اس میں ان کی حرکات مذبوحی کا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا گیا تھا۔ ۱۸۳۵ء میں اس

گمشدہ کتاب کا ایک نسخہ ایک اہل علم انگریز مسٹر چارلس دوڈ۔ OSWELD CHAR
LES WOOD ۔ کو ہاتھ لگ گیا (۱۲۳) اس فاضل انگریز نے اس کا ترجمہ اپنی
زبان میں کر دیا وہ ترجمہ بھی آج ناپید ہے اور کہیں ڈھونڈھے سے نہیں ملتا یہاں اگر
ایک طرف ساحرانِ باطنیت کی اپنے کرتوتوں کو پوشیدہ رکھنے کی کامیاب کوششیں دنیا
بھر کا منہ چڑا رہی ہیں تو دوسری جانب ان کی تمام عالم کے چپہ چپہ پر رسائی کا آئینہ بھی
ہیں ۔ گو ان کی وہ کوششیں بڑی حد تک کامرانی سے ہمکنار ہوئیں لیکن قلم کے لاثانی شاہکار
کہیں کسی کے مٹائے مٹا کرتے ہیں ۔ اب بھی یہ دیکھا کسی نہ کسی علم دوست کے سینے
سے لگا ہوا اس کے خزینۂ ادب میں موجود ہو گا ۔ راقم الحروف نے مذکورہ بالا مستند کتاب
سے استفادہ کر کے جا بجا حوالے دیئے ہیں ۔ جرمن قوم کے اس یگانۂ روزگار فرزند
کی لکھی ہوئی آخری سطور اس لئے یہاں سپردِ قرطاس کی گئیں کہ ہم بھی اس دانشور کے
تجربات و مشاہدات سے سبق حاصل کریں ۔ فرماتے ہیں ۔

Had the Princes of the East acted in the same spirit towards the first secret societies and the emissaries of the lodge of Cairo as the senate and consuls (of Rome) had done, the sect of the Ismailities would, never have attained political influence, nor would the blood dropping branch of assassins have sprouted from the poisonous stem....Thus through the blindness of princes and the weakness of the governments through the credality of nations and the criminal presumptions of an ambitious adventurer, like Hasan Bin Sabah the monstrous existance of secret socities and an Imperium in Imperio, attained so frightful an extent and power, that the murderer seated himself openly upon the throne, and the unbounded dominion of the dagger in the hands of the assassins was an object of terror to the princes and the rulers and insulted mankind in a manner unexampled and unique in history.

ترجمہ :- "اگر مشرق کے سلاطین ابتدائی خفیہ انجمنوں کے ساتھ وہی سخت رویہ اختیار کرتے جو (کبھی حکومت روم نے اسی قسم کی) ایک انجمن کے ساتھ کیا تھا تو نہ تو (مصر کا) اسمٰعیلی فرقہ سیاسی قوت پکڑتا اور نہ اس زہریلے پودے سے ابھرا ہوا خون ٹپکانے والا دہشت پسند طبقہ حشاشین عروج پاتا۔ بادشاہوں کے اندھے پن۔ حکومتوں کی کمزوری۔ قوموں کی ضعیف الاعتقادی خود شاہزادگان کی بدکرداری اور کفر کے مذہب میں شمولیت اور حسن بن صباح جیسے بے اصول مہم جو کے فاسد ولولے سب نے یکجا ہو کر ایک ایسی خفیہ ابلیسی انجمن اور ذیلی حکومت کی بنیاد رکھی۔ جس سے ایک قاتل کا بے باکانہ تختِ سلطنت پر بیٹھ کر خنجر زنی کی لامحدود حکومت حشاشین کے ہاتھوں میں دے دینا ممکن ہوا جس سے سلاطین کے لئے عذابِ مسلسل اور بنی نوع انسان کے لئے ایسی تذلیل کا سامان ہوا جس کی مثال سابقہ تاریخ میں نہیں ملتی" (۱۲۴)

نظر عمیق ڈال کر دیکھئے کیا آج کل پاکستان ان ہی راستوں پر گامزن نہیں ہے جو فاضل داں ہمیر موصوف کے مذکورالصدر نقشے میں صاف نظر آرہے ہیں۔ کردار وہی، پلاٹ وہی، اسٹیج وہی، بس صرف لباس نئی وضع کا ہے مگر روح حسن بن صباح کے تخلیق کردہ منصوبے (پلان) کی وہ روح جو ہزار پردوں میں سے جلوہ دیتی ہے ع خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے۔ خصوصاً ایسی نالائق جفا سے۔ کہ جس میں ہمیں آغاخانی کلاہ اور عمامہ میں ملبوس اچھوتوں (بھنگیوں اور چماروں) کی حکومت کا غلام بننا پڑے ع

سر چشمہ شاید گرفتن بہ بیل
چو پر شد نہ شاید گرفتن بہ پیل

(۳) تاریخ فاطمین مصر، مصنفہ ڈاکٹر زاہد علی۔ مطبوعہ جامعہ عثمانیہ۔ دکن جامعہ عثمانیہ سے استفادہ اور خود ڈاکٹر صاحب موصوف کا اسمٰعیلی فرقہ سے تعلق ہونا ان کتابوں کے مستند ہونے کی ضمانت ہے۔ عام طور پر کتاب دستیاب نہیں لیکن موقر اسلامی لائبریریوں میں مل سکتی ہے۔

(۴) "فردوس بریں" مصنفہ، عبدالحلیم شرر۔ کئی مطابع طبع کر چکے ہیں لیکن اب بھی نایاب ہے، ڈھونڈنے سے شاید کہیں مل جائے۔

(۵) "حسن بن صباح" مصنفہ عبدالحلیم شرر۔ شرر مرحوم نے یہ کتابیں اس زمانے میں لکھی تھیں جب آغاخان اول زندہ تھا اور "قلعہ الموت" کی روایات کے مطابق جسے چاہتا تھا قتل کرا دیتا تھا کیونکہ اسے انگریز کی سرپرستی حاصل تھی۔

(۶) ALI, THE GREATEST LOVER مصنفہ LEONARD SLATER لکھنے والا ایک انگریز اہل قلم ہے۔ اس نے گو پوری کتاب آغاخانیوں کے موضوع پر لکھی لیکن آداب اسلامی سے ناواقفیت کے سبب لاشعوری طور پر اور نادانستہ

ایسے چند فقرے بھی لکھ گیا جو شارع علیہ السلام کی نسبت سوئے ادب تھے آغا خانیوں نے صدر جنرل محمد ایوب خان کی خدمت میں پہنچ کر صرف وہ ہی فقرے دکھائے اُس نے دیکھ کر کتاب ممنوع BANND قرار دیدی - ممنوع ہونے کے سبب کتاب کا رکھنا جُرم ہے - لیکن پاکستان کے باہر ممالکِ غیر میں کتاب دستیاب ہے -

(۷) TRAVELS OF MARCO POLO - انگریزی زبان کی مشہور کلاسک ہے - مصنّف سیاح مارکو پولو دنیا کی ان چند ممتاز اور باوقار ہستیوں میں سے ہے جو شہرتِ دوام کی مالک ہیں اس کے دور میں " قلعۂ الموت " اپنی تمام بدکاریوں میں مصروف تھا فاضل مصنّف نے موقع پر دیکھے ہوئے اور اسی وقت سنے ہوئے حالات لکھے ہیں دُنیا بھر میں اس کی تحریرات مُستند مانی جاتی ہیں - چونکہ یہ انگریز قوم کا ادبی شاہکار ہے غائب نہ کرائی جا سکی -

(۸) SECRET SOCITIES مصنف NEST A.H.WEBSTER

کتاب کی بسم اللہ باطنیت کے فرقے سے شروع ہو کر یورپ اور ایشیاء کی قدیم و جدید خفیہ سوسائٹیوں کا حال ظاہر کرتی ہے REVOLT-IN-ISLAM کے عنوان ہی سے اس کا پہلا باب شروع ہوتا ہے اوّلاً اسلام سے بغاوت کرنے والا جو طبقہ تھا وہ یہی فرقہ باطنیہ ثابت کیا گیا ہے اور یہ کہ جتنی خفیہ اور زیر زمین سوسائٹیاں یورپ اور ایشیا میں اب تک معرضِ وجود میں آئیں وہ اسی قلعۂ الموت کی نقل ہیں گو ابھی تک اس کی ہم پلہ ایک بھی سوسائٹی دنیا نہ پیدا کر سکی (۱۲۵)

(۹) VALLEY OF THE ASSASSINS مصنف FRYA MADELENE STORK بہت عمدہ کتاب ہے مغربی ممالک میں مل سکتی ہے -

(۱۰) AN-APPEAL TO SOLOMAN KHAN مصنف کریم غلام علی

ایک ایماندار آغاخانی ہیں۔ اس کتاب میں فاضل مصنّف نے سر سلطان محمد آغاخان سوئم کے صاحبزادے پرنس سلمان خان سے براہِ راست خطاب کیا اور نہایت بے باکانہ انداز میں ان تمام برائیوں کو طشت ازبام کیا جو جماعت زیر بحث کا طرّۂ امتیاز ہیں اس میں آغاخان اوّل امام حسن الحسینی کے وقت سے اب تک کے واقعات درج ہیں اس جسارت کے نتیجے میں مصنّف پر قاتلانہ حملہ کرایا گیا جس میں ان کی جان تو بحکم ایزدی سلامت رہی۔ لیکن ٹانگیں ٹوٹ گئیں یہ واقعہ اور موصوف کا خود جماعت آغاخانی سے تعلق ہونا کتاب کی صداقت کی دلیل ہے اور پڑھنے کے قابل ہے۔

(۱۰) گولڈن پرنس GOLDEN PRINCE مصنفہ گورڈن ینگ (GORDEN YOUNG) خلاصہ سوانح حیات شہزادہ علی سلمان خان والد کریم آغاخان چہارم جسے سلمان خان موصوف نے اپنے دستخطی دیباچہ سے مصدقہ اور مستند بنا دیا ۱۹۵۵ء میں انگلستان میں طبع ہوئی اور علی سلمان خان کے دستخط ہونے کے سبب (BAN) قانونی پابندی کی حد سے محفوظ رہی (آغاخان نے خود کھیل کر عملاً تو قمار بازی (گھوڑ دوڑ میں ریس) اپنی امّت کے لئے جائز قرار دے ہی دی تھی لیکن ان کے فرزند ارجمند نے زبانی طور پر کہہ کر معاملہ بالکل واضح کر دیا۔ فرمایا۔ کہ "میں اور میرے والد گھوڑوں کے سوداگر ہیں لوگ شوقیہ یہ شغل کرتے ہیں اور ہم بطور تجارت" (۱۲۶) دوسری جگہ آغاخان سوم نے فرمایا "ہمیں موجودہ زندگی سے پوری طرح لذت اندوز ہونا چاہئے کیونکہ ہمیں معلوم نہیں آئندہ کیا ہو گا جتنا تم سے ہو سکے (ریس میں) گھوڑوں پر صرف کرو اور قمار بازی (GAMBLING) دل کھول کر کرو" (۱۲۷) "آغاخان اوّل امام حسن الحسینی کا حفاظتی دستہ (باڈی گارڈ) آٹھ سو سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ جو سب کے

سب ان امام صاحب کی تخم ریزی کا نتیجہ تھے (۱۲۸) (یہ ضروری نہیں کہ ان آغاخان کی جولانی طبع سے صرف اولاد نرینہ ہی پیدا ہوئی ہو۔ بیٹیاں بھی تو پیدا ہوئی ہوں گی یہ شجر کاری دنیائے بسیط کی کھلی زمین پر بلا تخصیص ذات پات کی جارہی تھی اس قید سے قطعاً آزادی تھی کہ یہ زمین کس کی ملکیت ہے۔

وہ بے شمار صاحبزادیاں کس کونے میں سما گئیں کسی کو اس کا راز معلوم نہیں کیونکہ کشت عام تھی اس لئے ہر کس و ناکس نے اس کی فصل سے فیض اٹھایا ہوگا۔ ۱۸۶۱ء میں خوجوں ہی کے ایک اصلاح پسند گروہ نے جن کا لیڈر دھرم سی پونجا بھائی تھا بمبئی کے پولیس کمشنر ولیم کرافرڈ WILLIAM CRAW. FORD کے سامنے آغاخانی جماعت سے مصالحت کے لئے منجملہ اور شرائط کے یہ شرط بھی رکھی تھی کہ "ہماری عورتیں آغاخان کے مکان پر حاضری دینے نہ جائیں گی (۱۲۹) ظاہر ہے کہ یہ احتیاط جناب آغاخان کے اس کردار کے سبب کی گئی تھی جس کا ذکر سطور بالا میں آیا اس واقعہ کے مصنّف محترم کریم غلام علی ایک ایمان دار خوجہ ہیں۔ ان ہی نے ایک دوسرا واقعہ قلم بند فرمایا وہ یہ کہ "ایک جوان نو بیاہتا میاں بیوی نکاح کے بعد بغرض دعا و احترام حاضری دینے کے لئے آغاخان دوم کی خدمت میں آئے ان جناب نے تیرا سالہ دلہن کو زنا بالجبر کرکے ظاہر کیا۔ ایسا کہ وہ لڑکی خود اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل نہ رہی اور اٹھوا کر اپنے گھر پہنچائی گئی (۱۳۰) جنرل نیپئر کے ساتھ آغاخان اوّل نے سندھ کی فتح میں مکمل تعاون کیا جس کے نتیجہ میں سندھ کے امیروں کو شکست ہوئی (۱۳۱) سندھ کے امیروں کی فوج میں جو تبائل تھے اُن میں بھی آغاخان کے مریدین کی ایک بڑی تعداد شامل تھی ۱۳۲ یعنی چھپے اور ظاہر اندر اور باہر دونوں جانب سے حاضر امام سلطنت اسلامیہ سندھ کو حرف غلط کرنے میں مصروف تھے اور انگریز کو گرانقدر خدمت بہم پہنچا رہے

تھے جس کے بغیر انگریز کا فراسس واحد لاشریک کے ماننے والوں کی حکومت کو ختم نہ کر سکتے تھے ۔" ان آغاخان کے مرغوب مشاغل ریس (قمار بازی) اور اپنی جماعت کی روحانی رہنمائی تھے (۱۳۳) آغاخان سوم ۱۹۱۳ء میں نہایت خفیہ مشن پر مصر بھیجے گئے (۱۳۴) ان کے ہی مشورہ پر خدیو (بادشاہ) مصر کو تخت سلطنت سے معزول اور ملک بدر کیا گیا (۱۳۵) (مہدی سوڈانی کی قبر اکھیڑ کر اور اس کی ہڈیاں دریا برد کرنے والے رسوائے زمانہ) لارڈ کچنر کو ان آغاخان نے یقین دلایا تھا کہ "میں اپنے خون کا آخری قطرہ حکومت برطانیہ کے لئے بہا دوں گا (۱۳۶) یہ جنگ ترکوں کے خلاف لڑی جا رہی تھی) آغاخان نے مصر کو ترکی اور جرمنی کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا تھا (۱۳۷) (انگریز کی دوستی میں آغاخان نے کئی اسلامی ملک تباہ و برباد کئے)

۱۹۳۲ء میں آغاخان نے لارڈ ولنگڈن سے درخواست کی کہ اُسے سرزمین سندھ پر ایک قطعہ زمین اس کی گرانقدر خدمات کے صلے میں عطا کیا جائے (۱۳۸) (اس تمنا میں اس نے سندھ پر انگریزی اقتدار قائم کرایا تھا) جون بار یارڈ بوٹلر JOAN BARBARA YARDEBULLER پر تھامس لوئل گنس THOMAS - LOEL GUINESS اس کے خاوند نے طلاق حاصل کرنے کو مقدمہ دائر کیا - عدالت نے ان الفاظ کے ساتھ طلاق کی ڈگری ۵ نومبر ۱۹۳۵ء کو حکم دیا - DECREE NISION THE ADULTERY OF THE WIFE "بیوی کے ارتکاب زنا کاری پر ڈگری کی جاتی ہے" (۱۳۹) عدالت نے اخراجات مقدمہ کی ڈگری علی سلمان کے خلاف (جو مدعا علیہ نمبر دو تھے) کی (۱۴۰) اگلے سال ۱۸ر مئی کو علی خان اور اس خاتون کا نکاح ہو گیا - (۱۴۱) سال کے ابتدائی حصہ ۱۹۳۶ء میں اس بیوی سے کریم (موجودہ آغاخان چہارم) پیدا

ہوئے (مصنف نے ذرا ذرا سی باتوں کی تاریخ لکھی ہے مگر اس پیدائش کی تاریخ لکھنے سے اغماض برتا لیکن دوسرے متعلقہ واقعات سے قریبی تاریخ کا تعین بخوبی ہو جاتا ہے وہ یہ ہیں) پیدائش کے بعد علی سلمان خان اپنی اس بیوی کے ہمراہ نظام حیدرآباد کی سلور جوبلی میں شرکت کرنے کے لئے ہندوستان گئے۔ (۱۴۳) نظام کی زیر تذکرہ سلور جوبلی (جشن سیمین) کی تاریخ انعقاد یکم ذالحجہ ۱۳۵۵ھ یعنی ۱۲ فروری ۱۹۳۶ء ہے (۱۴۴) اگر نومولود کی ماں نے بچے کی پیدائش کے بعد اور سفر حیدرآباد سے قبل کم سے کم ایک ڈیڑھ ماہ بھی آرام کیا ہو جو بچہ پیدا ہونے کے بعد ضروری ہوتا ہے تو اس حساب سے کریم آغاخان حاضر امام کی تاریخ ولادت جنوری ۱۹۳۶ء یا اس سے قبل ہونا ثابت ہے یعنی جناب حاضر امام والدین کے نکاح سے ۵ یا ۶ ماہ قبل ہی دنیا میں وارد ہو گئے تھے۔ یہ اعداد وشمار اس کتاب سے لئے گئے جو علی سلمان خان کے دستخط سے اشاعت پذیر ہوئی ان کے مستند ہونے میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ غالباً چنیوٹ (ضلع جھنگ) کے بوڑھے واقف کار اور ایماندار آغاخانیوں نے ان ہی واقعات کی بناء پر کریم آغاخان کو امام تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ ان کے چھوٹے بھائی امین کو جائز امام تسلیم کرتے ہیں (۱۴۵)

انگریزوں کی فتح بیت المقدس کے وقت علی سلمان خان جنرل ویگان GENERAL. WEVGAND کے ماتحت انگریزی فوج میں شمولیت کے لئے بھیجے گئے (۱۴۶) کیونکہ مسلمان ہونے کے سبب انگریز کے لئے ان کی موجودگی بہت سود مند تھی (۱۴۷) ان کی بروقت مدد اس کام میں انگریز کمانڈر کی شامل حال تھی جس کا نتیجہ آج مسلمانانِ فلسطین پر ظلم وتشدد اور مقاماتِ مقدسہ پر (جن میں مسجد اقصیٰ، مدینہ طیبہ، مکہ مکرمہ سب ہی شامل ہیں) خطرہ کی صورت میں نظر آرہا ہے۔ یہ مفتیٔ فلسطین کے خلاف انگریزوں کی طرف سے پروپیگنڈہ کے لئے متعلق

کٹے گئے تھے (۱۴۸) نیز عربوں کے خلاف جاسوسی میں بھی نمایاں کردار ادا کر رہے تھے (۱۴۹) جس کی تفصیلات کا کسی کو علم نہیں (۱۵۰) خود اپنی کارگزاریوں کا فخریہ تذکرہ کیا کرتے تھے (۱۵۱) ڈیٹلی ایکسپریس سے شادی کے وقت شراب کی چھ سو بوتلیں صرف میں آئیں تھیں (۱۵۲) غریب اور محتاج علی سلمان خاں سے امداد کی درخواست کرتے تھے مگر وہ خیرات صرف اسمٰعیلیوں کے لئے وقف تھی غیر اسمٰعیلی کو اس میں سے ایک حبہ بھی نہ ملتا تھا۔ (۱۵۳) (نائب امام کا طرز عمل اس کی ذریت کے لئے مشعلِ راہ اور قابلِ تقلید ہے ایک آغاخانی صرف اپنے مذہب کی امداد کرتا ہے غیر آغاخانی کا اس میں حصہ نہیں)۔ ریٹا (RITA) کی علی خان سے لڑکی یاسمین شادی کے ساتویں مہینے پیدا ہوئی۔ یعنی شادی ۲۵ مئی ۴۹ء اور یاسمین کی پیدائش ۲۸ دسمبر ۴۹ء کو (۱۵۴) علی سلمان خان نے فرمایا کہ " یہ ہماری خاندانی روایت ہے (۱۵۵) یعنی بزرگوں سے ایسا ہوتا آیا ہے) ایک دفعہ علی سلمان خان کی ایک حادثہ میں ٹانگ ٹوٹ گئی تو بے ساختہ زبان سے نکلا۔ یہ میرے گناہوں کی سزا ہے (۱۵۶) اور اہل جماعت انہیں معصوم سمجھتے اور کہتے رہے۔ مدعی سست گواہ چست کی مثل یہاں کتنی صادق آتی ہے بہر حال مجرم خود اقرارِ گناہ کرے تو وہ بیان زیادہ صحیح ہے کتنا لغو ہے آغاخانیوں کا اپنے اماموں کو معصوم کہنا۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

ترجمہ:۔ اے ہمارے رب ڈال دے ہمارے دلوں میں صبر اور ثابت رکھ ہمارے قدم اور مدد کر ہماری اس کافر قوم پر

(قرآن - البقرہ ۲۵)

BIBLIOGRAPHY. کتابیات

Caroe, Olaf.	The Pathan.
Carr, William Guy.	Pawns in the Game.
Commager, Henry Steele.	Churchill's History-of English Speaking People
Daraul, Arkon.	History of Secret Societies
Greenwell, Harry, J.	H.H. The Agakhan.
GhoolamAli, Karim,	An Appeal to Prince-Solomon Khan.
Hay, Deny.	The Medieval Centuries.
Ismaily, Mukhi M.Ali.	Maktoobat aur Qarardaden.
Jackson, Stanley,	The Agakhan.
Keller, Helen.	Story of My Life.
Khalidi, Abu Nasar-Muhammad.	Taqweem, Hijri-wa-Eswi.
Lewis, Bernard.	The Assassins.
Khan Agha. III.	Memoirs.
Khan Agha	Farmans.
Mustafa, Ghulam.	Hassan-bin-Sabbah.
RKM.	Under Print.
Sykes, Brig. Gen. Sir-Percy.	History of Persia. .II.
Sharrar, A. Haleem.	Hassan-bin-Sabbah.
Taj, Tasaddq Hussain.	Mazameen-e-Iqbal.
Wood, Oswald Charles.	History of Assassins.
Webster, Nesta.	Secret Societies and-Subversive Movements
Young, Gordon,	The Golden Prince.
Zuberi, M. Ameen.	Princ Agakhan.

PAPERS AND PERIODICALS :-

Encyclopedia Britannica Vol V.	EBV.
Ginnan Collection of. -- I.M.A. for India Bombay.	GINAN.
Jang Daily, Karachi.	JNK.
Jasarat, Daily, Karachi.	JDK.
Mujallah-e-Usmania. Jashan-e-Simin-Number.	MUJ.
Paigham, Fortnightly, Karachi.	PFK.
Souvinier. IS, M.A. Karachi.	SIA.

REFERENCES. حوالہ جات

1.	ZUBERI	pp.	11-12.
2.	GREENWELL	pp.	13.
3.	IBID	pp.	17/8
4.	Hay	pp.	26
	Wood.	pp.	2
	Lewis	pp.	13
5.	JACKSON	pp.	16
6.	WOOD	pp.	28
	WEBSTER	pp.	37
7.	IBID	pp.	3-8.
	WOOD	pp.	51.
8.	WEBSTER	pp.	40.
	WOOD.	pp.	32.
9.	HAY.	pp.	2[illegible]
10.	EBY VOL V.	pp.	100.
	Sykes	pp.	10.
11.	GHOOLAMALI	pp.	60
12.	Agakhan III Memoirs		152.
13.	Zuberi	pp.	156/7
	RKM	pp.	28.
14.	GREENWELL.	pp.	13.
15.	WOOD.	pp.	51/2.
	Lewis.	pp.	39/43.
16.	Mustafa.	pp.	30
	WOOD.	pp.	51
17.	IBID	pp.	233/7
18.	MUSTAFA	pp.	34.
19.	Ibid.	pp.	42.
20.	Ibid.	pp.29.	
21.	Ibid.	pp.	44.
22.	SYKES.	pp.	107.
23.	MUSTAFA.	pp.	42/44.
	SHARRAR.	pp.	42.
24.	MUSTAFA	pp.	45/72.
25.	LEWIS	pp.	113.

26. SHARRAR pp. 42-45.
27. PFK. PP.
28. WOOD pp. 2/33.
WEBSTER. pp. 38.
29. SHARRAR pp. 46.
SYKES. pp. 95.
30. IBID. pp. 95.
WOOD. pp. 111.
31. DARAUL. pp. 32.
LEWIS. pp. 72/3.
32. WOOD pp. 111/25.
DARAUL. pp. 32.
LEWIS. pp. 111.
33. LEWIS pp. 111.
DARAUL. pp. 32.
34. WOOD. PP. 125.
LEWIS. pp. 74.
35. Ibid. pp. 111.
36. COMMAGAR. pp. 44.
37. YCUNG. pp. 32.
38. GREENWELL PP. 171.
39. SIA. pp. 17.
40. Keller. pp.
41. LEWIS pp. 81.
42. ibid pp. 5.
SYKES pp. 95.
43. LEWIS pp. 95.
44. WOOD pp. 211.
LEWIS. pp. 14/5.
DARAUL. pp. 37.
45. WOOD. pp. 211.
46. SYKES. pp. 147.
LEWIS. pp. 136
47. Sykes pp. 117
48. GHOOLAMALI pp. 4/5
49. GINAN 41. pp. 46.
50. IBID. 53. pp. 68.

51. Ginan MO.CH. pp. 95.
52. ibid pp. 104.
53. ibid pp. 106.
54. ibid. pp. 109.
55. ibid. pp. 107.
56. ibid. pp. 107.
57. ibid. pp. 107.
58. ibid. pp. 146.
59. ibid Brahm Prakash pp. 296.
60 ibid MO.CH. pp. 144.
61. ibid BOOJNIRANJAN pp. 257.
62. MARGDARSHIKA T pp. 28.
63. ibid pp. 68.
64. KHAN(FARAMEEN) I pp. 5
65. ibid pp. 81.
66. ibid. II pp. 244.
67. ibid pp. 281.
68. ibid pp. 281.
69. Ginan 13 pp. 14.
70. WEBSTER. PP. 41.
WOOD. pp. 35.
71. MUSTAFA. pp. 83.
72. ibid. pp. 83.
LEWIS. pp. 2.
73. ibid pp. 24.
GHOOLAMALI pp. 4/5.
74. ibid pp. 4/5
75. ibid. pp. 6.
76 ibid. pp. 60.
SYKES pp. 337.
77. GHOOLAMALI. pp. 60.
78. ibid. pp. 61.
DARAUL pp. 38.
GREENWELL PP. 7.
79. GHOOLAMALI. pp. 61.
JACKSON. pp. 16.
80. ibid. pp. 16.

81.	AGAKHAN III(MEMOIRS)		194/5. 286.
	YOUNG.	PP.	57.
82.	GHOOLAMALI.	pp.	61.
	DARAUL.	pp.	38.
	JACKSON	pp.	16.
83.	GREENWELL	pp.	31.
84.	GHOOLAMALI.	pp.	11,37,46
85	ibid.	pp.	71.
86.	ibid.	pp.	71.
87.	ibid.	pp.	71.
	GREENWELL.	pp.	13.
88.	GHOOLAMALI.	pp.	77/78
89.	ibid.	pp.	75.
90.	ibid	pp.	75.
91.	ibid.	pp.	56.
92.	SEE PAGES 22,21,23. above.		
93.	ibid ibid.		
94.	CAR-R.	pp/	15.
95.	SEE NO.65. above.		
96.	RKM.	pp.	15/6.
97.	ibid.	pp.	56.
98.	itid.	pp.	56/7
99.	ibid	pp.	56.
100.	GINAN 13	pp.	14.
101.	Agakhan III Memoirs		194/5
102.	JACKSON	pp.	16.
103.	AGAKHAN III Memoirs.		195.
104.	IBID.	pp.	195.
	GREENWELL.	pp.	32. 63.
105.	ibid.	pp.	63.
106.	AGAKHAN III MEMOIRS		196.
107.	DARAUL	pp.	34.
	LEWIS.	pp.	113.
108.	ibid.	pp.	122.
109.	JDK.	PP.	D/ 10-8-82.
110.	SYKES	pp.	219.
	CAROE	pp.	250.

111. TAJ. pp. 163.
112. AGAKHAN III MEMOIRS 196.
113. WOOD pp. 173.
114. ibid pp. 73.
115. LEWIS pp. 97.
116. MUSTAFA pp. 43.
117. Agakhan iii Memoirs 152.
118. ibid pp. 153.
119. ISMAILI pp. 38.
120. GHOOLAMALI. PP. 8.
121. ZUBERI. pp. 157/8.
RKM pp. 28.
122. WOOD. pp.. 141.
123. RKM. pp. 17.
124. WOOD. pp. 216.
125. WEBSTER pp. 14.
DARAUL pp. 38.
WOOD pp. 2.
LEWIS pp. 38.
126. YOUNG. pp. 20.
127. ibid. pp. 171.
128. ibid. pp. 25/26.
129. GHOOLAMALI pp. 41.
130. ibid. pp. 3.
131. ibid pp. 8,61.

132.	YOUNG	pp.	26.
133.	ibid.	pp.	27.
134.	ibid	pp.	37.
135.	ibid	pp.	37.
136	ibid.	pp.	37.
137.	ibid.	pp.	37.
138.	ibid.	pp.	57.
139.	ibid.	pp.	58.
140.	GREENWELL.	pp.	171.
141.	YOUNG.	pp.	59.
142.	ibid.	pp.	67.
143.	ibid.	pp.	67.
144.	Khalidi.	pp.	68.
145.	ISMAILI.	pp.	78.
146.	YOUNG	pp.	70.
147.	ibid.	pp.	70.
148.	ibid.	pp.	70.
149.	ibid.	pp.	73.
150.	ibid.	pp.	72.
151.	ibid.	pp.	72
152.	ibid.	pp.	98.
153.	ibid:	pp.	165.
154.	ibid	pp.	104.
155.	ibid.	pp.	104.
156.	ibid.	pp.	62.

ضروری گزارش

●●●●●●●●●●●●

ی موضوع پر ہوئیں ، آغاخانیوں، مسلمانوں اور غیر مسلمانوں نے جو کتب تصنیف کیں اس میں کچھ
درج ذیل ہیں اور قابل مطالعہ ۔ اس لئے ان کی فہرست حسب ذیل ہے ۔

Name of Book.	Name of Author.
History of the Assassins.	Chevalier von Hammer.
A history of Secret Societies.	Arakaun Draul.
The Assassins.	Bernard Lewis.
Agha Khan and His Ancenstors.	Naraoji.M.Dumasia.
Ali, the Greatest Lover.	Leonard Slater.
Ever Living Guide.	Kassamali M.J.
Mihir Bose.	The Agha Khans.
	Ramzan Kamani.
The Golden Prince.	Gordon Young.
The Agha Khan.	Stanley Jackson.
H.H.The Agha Kham.	Harrey J. Greenwall.
Memoir of Agha Khan.	Maugham.
Secret Societies & Subversive Movements.	Neste H. Webster.
Rikt Chuwasu.	Raza Soorti.
Mukhi Mohommed Ali.	Maktoobat aur Qarar-dadan.
Hassan bin Sabah.	M.Ghulam Mustafa. M.A., P.C.S.
Firdaus-Barin.	Abdul Halim Sharar.
Hassan bin Sabbah.	Abdul Halim Sharar.
An Appeal to Ali Soloman Khan.	Karim Ghulam Ali.
History of Persia Vol.II.	Sir Percy Sykes.
The Valley of the Assassins.	Freya Stork.
Literary History of Persia.	E.C. Brown.
Travells of Marco-Polo.	Marco Polo.
An Open Letter to H.H.the Agha Khan.	Karim Ghulamali.
Hamare Ismaeli Mazhab ki Haqiqat.	Zahid Ali.
Tarikh Fatmeen-e-Misr.	Zahid Ali.